مذہبی تعلیم
خانہ داری کی تعلیم
لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم
دہلی

۷۸۶　　　　ہوالکل　　　　یا معین

بیوی کی تعلیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

میری پیاری اسلام۔ کل رات کو اور پرسوں رات کو جب
بخار اور درد کی حالت ایسی تھی کہ مجھ کو زندگی کا بھروسہ نہ رہا تو
میں نے گناہوں سے توبہ کی اور اسی وقت خدا سے منت مانی
کہ اگر وہ اس مرض سے مجھ کو نجات دیگا تو میں اپنی بیوی کو
دین دنیا کے کام کرنے کا ڈھب سکھاؤں گا اور تھوڑے روز میں وہ ضروری
ضروری اور بڑے بڑے مسئلے جن کا تعلق مذہب ملک اور خانہ داری
سے ہے ان کے ذہن نشین کردوں گا۔ تاکہ جب کبھی میری موت آئے
تو وہ انجان بیوہ نہ رہیں۔

تم جانتی ہو میری عمر ایک کم چالیس سال کی اس محرم سے
شروع ہوئی اور شاید تمہاری عمر ابھی سترہ سال یا اٹھارہ کی ہوگی
ایسی حالت میں میرا تمہارا کسی بات پر غور کرنا زمین آسمان کا فرق
رکھتا ہے ہماری تعلیم بھی کچھ زیادہ نہیں [illegible]

عورتوں کی صحبت ملی۔ میں نے بیس برس سے زیادہ اخبار پڑھنے
نئے زمانہ کے جلسے دیکھنے اور دنیا کی سیر کرنے اور مضامین
لکھنے میں صرف کئے۔ پس میرا تمہارا تجربہ اور خیال کتنا بڑا
فرق آپس میں رکھتا ہے؟ مگر تمہاری عقل اور ذہانت سے مجھے
اُمید ہے کہ تم وہ بات جو میں نے بیس برس میں سیکھی میں
دن میں سیکھ لوگی۔ کیونکہ میں ایسے طریقے سے تم کو سمجھاؤں گا
جس میں زیادہ وقت خرچ کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ خدا
کا شکر ہے اُس نے مجھے ایک خطرناک مرض سے اتنی جلدی
صحت دے دی کہ آج تیسرے ہی دن میں نے اپنی منت پوری
کرنے کی بسم اللہ کر دی۔

آج میرے چلہ کو سترھواں دن ہے۔ گویا ۲۳ دن چلہ ختم
ہونے میں اور باقی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دنوں میں ۲۳
سبق تم کو لکھ کر بھیجوں اور تم بھی ۲۳ جواب ان کے تحریر کرو
اس طرح تم بھی ملک و قوم کی ہر بات کو سمجھ لوگی اور میں بھی اپنی
منت سے ادا ہو جاؤں گا۔ اور ہمارے تمہارے سوال و جواب
ایک کتاب کی صورت میں چھپ جائیں گے۔ جس سے دوسروں
کو بھی فائدہ ہوگا اور بہت آدمیوں کو اپنی بیویوں کو تعلیم
دینے کا ڈھنگ آجائیگا ان فائدوں کے علاوہ بڑی بات یہ
ہوگی کہ چلہ کے سبب چونکہ میں تم سے اور کسی آدمی سے
نہیں مل سکتا ہوں اور اس سے کبھی کبھی میرا جی گھبراتا ہے تو
یہ خط و کتابت میرا جی بھی بہلائے گی

اب لو میں سبق شروع کرتا ہوں پہلے تو تم اسکی احتیاط
سُن لو کہ سبق یاد کیونکر کیا جائیگا۔ جب میرا یہ خط تم کو پہنچے،
تم گھر کے سب آدمیوں اور بچّوں سے الگ بیٹھ جاؤ اور میرے
اِس خط کو غور سے ایک دفعہ پڑھو اور پڑھکر دوبارہ جواب طلب
باتوں پر غور کرو اور جو تمھاری سمجھ میں آئے وہ بغیر میری رعایت
کے بےپرواہ ہوکر صاف صاف اپنے ذہن میں جواب جماتی جاؤ
جب اِس سے فارغ ہوجاؤ تو قلم دوات لیکر اور میرا سوال نامہ
سامنے رکھکر ایک ایک بات کا جواب لکھدو اور مجھ کو بھیجدو ۔

میں تمھارے خط احتیاط سے رکھوں گا اور تم میرے خط
سنبھال کر رکھنا جب خط لکھ چکو تو خورشید کو میرا سوال اور اپنا
جواب دکھادیا تاکہ وہ بھی ان سبقوں سے فائدہ حاصل کرے اگرچہ
وہ ابھی اتنی سمجھ نہیں رکھتی مگر سب کام سیکھنے سے رفتہ رفتہ
آدمی سیکھا کرتا ہے ماں کے پیٹ سے ساتھ نہیں لاتا ۔

دیکھو میں تمھیں ذہن کھلنے کا ایک اور گُر بتاتا ہوں اور وہ
یہ ہے کہ میرے ہر سوال کے جواب دینے میں تم میری مخالفت
کا ارادہ کیا کرو۔ اِس طرح تم میں سوچنے اور سمجھنے کی طاقت بھی
آئے گی اور ذہن نئی نئی باتیں پیدا بھی کرے گا

میری رائے میں رات کا وقت اس کے لئے اچھا ہے جب
سب کاموں سے فراغت ہوجائے تو اطمینان سے جواب لکھا مناسب
ہوگا اور سویرے مجھ کو بھیجدیا کرنا۔ میں تم کو تیسرے پہر بھیجا
کروں گا والسلام ۔ حسن نظامی

اِس اِرادے کا جواب

خواجہ صاحب! خط تمھارا آیا۔ سبق کی تحریر بہت اچھی ہے۔

تو میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں اس رائے کو پسند کرتی ہوں، ایسا کون شخص ہوگا جس کے دل میں قوم و ملک اور مذہب کی محبت نہ ہوگی۔ اور جب محبت ہوگی تو یہ ضروری بات ہے کہ اس کی بہتری اور خدمت کرنے کو دل چاہے گا، اچھی خدمت بغیر سمجھ اور مشہور ہونے کے ہو نہیں سکتی۔ مشہور آدمی جب ہی ہوگا جب سمجھ ہوگی۔ مگر زندگی گمنامی کی مردار ہوتی ہے۔

سمجھ آدمی میں تین باتوں سے آسکتی ہے اوّل تعلیم دوم صحبت سوم معلومات۔ یاراں میں جو بات بھی اوّل ہو یعنی درجہ بڑا رکھتی ہو اور اس کا آدمی میں ہونا ضروری امر ہے۔

تو مجھے تعلیم ایسی ملی نہ صحبت اور معلومات تو بالکل نہیں ہے میں۔ نہیں کہتی کہ مجھ میں لیاقت نہیں تو اسی وجہ سے میری سمجھ بھی نہایت کچی ہے، حالانکہ تمھاری صحبت میں ایک سال ہوا رہتے ہوئے اگر میرا خیال ان باتوں کی طرف ہو گیا تو مجھے خود آسان کام ہوگا لیکن ابھی تو مشکل ہی نظر آتا ہے۔ یہ بات ضروری ہے کہ جب تک محنت نہ کرو آسان سے آسان کام بھی نہیں آسکتا لہٰذا کوشش میں کروں گی، ہمت اور مدد تمھارا ہے۔

میں خود اس دنیا میں قدم رکھنا چاہتی تھی تم نے اس کے پہلے سب مدد دی

پہلا سبق (دین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین کے نام پر قربان۔ دین کے کام پر قربان۔ ہم دین کے
دین ہمارا، دنیا اور اس کے سب کنبہ و فرد دین کے لئے ہے ہیں ہم
ہم اس جہاں میں دینی خدمت کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور وہ
خدمت یہ ہے کہ خدا کو ایک جانیں، اس کی ذات میں اور اس
کی صفتوں میں کسی کو شریک اور ساتھی نہ بنائیں۔ اس جیسا
کسی کو علم والا، قدرت والا خالق و مالک نہ سمجھیں۔

اور یہ یقین کریں کہ ہم آدمیوں کو ایک اللہ کا سیدھا رستہ
بتانے پیغمبر آیا کرتے تھے جن کو خدا بھیجتا تھا۔ اور ان سب رسولوں
اور پیغمبروں کے آخر میں وہ رسول و پیغمبر آئے جو سب سے
بڑے تھے اور سارے جہاں کی ہدایت ان کے سپرد تھی جن کا
نام محمدؐ تھا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے ہاتھ خدا نے ہم کو ایک
کتاب بھیجی جس کا نام قرآن ہے قرآن میں ہم کو ایک اللہ کے
ماننے کا طریقہ بتایا ہے اور ایک اللہ کی حمد و عبادت کرنے کا
ڈھنگ بھی اس میں آیا ہے۔

ہمارے دین کا نام اسلام ہے اور اس کی پانچ شرطیں
ہم پر فرض ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم سچے دل سے کلمہ
پڑھیں اور کہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط
جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک خدا کے سوا دوسرا کوئی خدا

نہیں ہے اور محمدؐ اُس کے سچے رسول ہیں۔ دُوسرا فرض یہ ہے
کہ پانچ وقت کی نماز رات دن میں پڑھیں۔ تیسرا فرض یہ ہے
کہ سال بھر میں ایک دفعہ سارے مہینہ رمضان کے روزے
رکھیں۔ چوتھا یہ ہے کہ مال و دولت پاس ہو تو اس کی زکوٰۃ
دیا کریں۔ پانچواں فرض یہ ہے کہ طاقت اور خرچ کرنے کی بساط
ہو تو ساری عمر میں ایک دفعہ کعبہ شریف کا حج کریں۔
یہ پانچ باتیں ہمارے دین اسلام کی جڑ اور بنیاد ہیں
ان کے بعد ہم کو اور بہت سے حکم دیئے گئے ہیں کہ فلاں
کام کرو فلاں نہ کرو جن کے کرنے کا حکم ہے۔ اُن میں سے
بعض یہ ہیں سچ بولو، پورا تولو، بڑوں کا ادب کرو، چھوٹوں
کے ساتھ محبت سے پیش آؤ، پڑوسی سے بھلائی کرو، ماں
کی ادب سے خدمت بجالاؤ، یتیموں غریبوں مسافروں کی مدد
کرو، خاوند بیویوں کا حق دے، بیوی خاوند کا حق ادا کرے
ہر وقت خدا کو حاضر و ناظر جانو، بیماریوں پریشانیوں میں
اُس سے دُعائیں مانگو وغیرہ وغیرہ۔
اور جن سے منع کیا ہے وہ یہ ہیں۔
شراب نہ پیو۔ جوا نہ کھیلو۔ حرام کاری نہ کرو بے شرمی کی
باتیں زبان پر نہ لاؤ نہ دل میں ان کا خیال کرو نہ وہاں بیٹھو جہاں
سے ایسی باتیں ہوتی ہوں پیٹھ پیچھے کسی کی بُرائی نہ کرو۔ خدا کے
سوا کسی کے آگے سجدہ نہ کرو ماں باپ کے ساتھ بدزبانی سے پیش
نہ آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

ہمارا دین آخری دین ہے اس کے بعد اب قیامت آئیگی اور کوئی پیغمبر یا دین لیکر نہیں آئیں گے ۔

دنیا میں یوں تو ہزاروں دین ہیں مگر بڑے بڑے دین جن کے کروڑوں آدمی ماننے والے ہیں۔ تین ہیں ایک ہمارا دین اسلام۔ دوسرے عیسائی مذہب۔ تیسرے بدھ مذہب

مسلمان ساری دنیا میں موجود ہیں۔ یعنی دین اسلام ہر جگہ پھیلا ہوا ہے ۔

عیسائی مذہب کے لوگ بھی سوائے عرب یعنی مکہ مدینہ کے دنیا بھر میں موجود ہیں۔ بدھ مذہب والے فقط چین جاپان اور برما میں ہیں۔ ہندوستان میں ایک مذہب اور ہے جس کو ہندو کہتے ہیں۔ ہندو مذہب اس ملک کے سوا دنیا میں اور کہیں نہیں ہے اور ہندو مذہب کا کوئی بڑا بادشاہ بھی نہیں ہے مسلمانوں کے ہاں بادشاہ ہیں، اور عیسائیوں کے دین میں بھی بادشاہ ہیں اور بدھ مذہب کے بھی بادشاہ ہیں مگر ہندوؤں میں کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ ہندوؤں کے ہاں بے شمار فرقے ہیں اور وہ ۳۳ کروڑ خدا مانتے ہیں اور پتھر کے بت پوجتے ہیں۔

آجکل ان میں ایک فرقہ نکلا ہے جس کا نام آریہ سماج ہے یہ بت نہیں پوجتا۔ مگر کہتا ہے کہ جیسے خدا ہمیشہ سے ہے اسکو بھی کسی نے پیدا نہیں کیا ایسے ہی روح بھی ہمیشہ سے ہے اس کو بھی کسی نے پیدا نہیں کیا اور دنیا جس حالت سے بنی ہے وہ بھی ازلی ہے یعنی اس کو بھی کسی نے پیدا نہیں کیا ۔

اس طرح یہ لوگ بھی تین جدا مانے گئے مسلمانوں اور عیسائیوں سے ان آریہ سماجیوں کا ہمیشہ جھگڑا رہا کرتا ہے۔ آریہ سماجی مسلمانوں اور ان کے دین کو بُرا کہتے ہیں۔ مسلمان آریہ سماج کے خلاف مضمون لکھتے اور تقریریں کرتے ہیں غرض ان دنوں اس کا جھگڑا مچا ہوا ہے اس واسطے میں نے تم کو اس دین کی حقیقت بتائی تاکہ سمجھ لو کہ آریہ سماج چیز کیا ہے

تم عورت ہو اور یہ میں تمہارے اور تم جیسی عورتوں کے لیے لکھ رہا ہوں اس واسطے تم کو بتاتا ہوں کہ تمہارے دین اسلام نے عورت کا بڑا درجہ رکھا ہے یعنی عورتوں کی بہت تعریف کی ہے اور مردوں کو ان کے حق سمجھنے اور نرمی کرنے کی تاکید کی ہے۔ بڑے درجے سے یہ نہ سمجھ لینا کہ مرد سے عورت کا درجہ بڑا ہے۔ نہیں عورت کا حصہ شریعت نے مرد کے مقابلہ میں آدھا رکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت مرد سے آدھی کم ہے

دین اسلام کے لانے والے رسول خدا عورتوں پر بڑے مہربان تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو دنیا میں نماز خوشبو اور عورت سب سے زیادہ پسند ہے انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی کی طرح ہے۔ سختی سے پیش آؤ گے تو اس کے ٹوٹ جانے کا ڈر ہے۔ تم عورتوں سے نرمی کا برتاؤ کیا کرو۔

دین کے معاملہ میں عورتیں مردوں سے بڑھی ہوئی ہیں یعنی وہ دین کی بڑی پابند ہوتی ہیں اور مردوں سے زیادہ ان کو دین کی پاسداری ہوتی ہے

ہمارے رسول پر سب سے پہلے جو ایمان لایا اور ان کا دین اسلام قبول کر کے مسلمان ہوا وہ ان کی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں

آجکل گورے ملکوں میں دین کا خیال بہت کم ہو گیا ہے۔ سو آدمیوں کو لو تو ان میں شاید پانچ ایسے نکلیں گے جن کے دل میں خدا کا عقیدہ اور مرنے کے بعد زندہ ہونے اور بہشت دوزخ میں جانے کا یقین ہوگا باقی پانچ کم سو ایسے ہوں گے کہ نہ خدا کو مانتے ہوں گے نہ رسول کو نہ کسی دین کو۔ نہ قیامت کو نہ حشر کے حساب کو۔

ان کی دیکھا دیکھی ہندوستان میں بھی یہ ہوا چلی ہے اور یہاں بھی انگریزی پڑھنے والے لوگ خدا رسول سے منحرف ہوتے جاتے ہیں۔

مگر بیبیو! تم فخر کرو گی اور خوش ہو گی کہ گورے ملکوں میں یعنی یورپ و امریکہ میں مرد تو خدا سے پھر جاتے ہیں، مگر عورتیں بہت کم پھرتی ہیں وہاں سب سے زیادہ عورتیں دین پر قائم ہیں، ایسا ہی امید ہے کہ ہندوستان میں بھی عورتیں دین پر قائم رہیں گی۔

ہمارا دین اسلام ایسا پکا دین ہے جس کی ہر بات عقل اور انسان کی ضرورت کے موافق ہے۔ اور ہمارے دین میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس سے انسان کی دنیاوی زندگی میں حرج و تکلیف ہو۔ اسی واسطے ہر مذہب کے عورت مرد جگہ جگہ دین اسلام میں شامل ہوتے رہتے ہیں، اور دین اسلا

سب باہ اپنی خوبی کے سبب ترقی کر رہا ہے اور بڑھتا جاتا ہے

میں نے تم کو اس سبق میں دین کی موٹی موٹی باتیں بتا دیں

اب لکھو کہ تم کو دین اسلام کیوں اچھا معلوم ہوتا ہے؟ اور دین اسلام کی کس بات کو تم زیادہ چاہتی ہو اور پسند کرتی ہو؟ اور کون کونسی ایسی چیز ہے جس کو تم آجکل کی مسلمان خوتوں میں دین کے خلاف زیادہ دیکھتی ہو؟ اور جس کی اصلاح کرنا تمہارے خیال میں ضروری نظر آتا ہے۔ والسلام۔

حسن نظامی

پہلے سبق کا جواب

خواجہ صاحب! دین کی خوبیوں کو کیا پوچھتے ہو؟

میرا کیا منہ ہے جو دین کی بھلائیوں کو تحریر کروں۔

خدا تعالیٰ نے جس بات کا بھی حکم دیا ہے اور اسلام میں جو رکھی ہے اس میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے کہ بندے کو حکم بجا لانے میں کوئی دقت پیش آئے۔

نماز کا طریقہ نہایت آسان رکھا ہے اور سب باتیں بہت آسان بتا کر سمجھا دی ہیں۔ ہر ادنیٰ سے اعلیٰ کو کسی بات میں [illegible] اس کے حکم بجا لانے میں کوئی عذر مانع نہیں ہو سکتا۔

نماز کی پابندی اور بھلائی، شرم و حیا یہ باتیں بہت کم نظر آتی ہیں

اگر ایک ہو تو دوسری [illegible] نہیں عورتیں پابند نماز سچائی

ہیں کیونکہ ان کے حصّہ کے چاروں نقطے والی خالی نے لے لئے ۔
جناب شاگرد صاحب اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تعلیم دینے
کا ... ل گیا۔ ہم لوگ اب تک پرانی لکیر کے فقیر سے
بیٹھے ہیں اور دنیا نے خبر نہیں کتنے رُوپ بدل لئے ۔
ہاں بچوں کو پہلے حرف ہی پڑھائے جاتے ہیں ہمارے
ہاں الف سے ہے۔ ان کے ہاں اے بی ہے بات ایک ہی
ہے کہ ولایت میں آج کل بچوں کو قاعدہ پڑھانے سے پہلے
تصویریں دکھاتے ہیں۔ باغ میں لے جاکر پودے، پھول، درخت
دکھا کر کہتے ہیں۔ دیکھو یہ گلاب ہے، یہ موتیا ہے، یہ کھجور ہے،
یہ انار ہے۔
وہ مکتب میں پڑھتے گلاب ایسا ہوتا ہے، کھجور بہت اونچی
ہوتی ہے، انار کے دانے لال ہوتے ہیں تو ان کو سمجھنے اور یاد
کرنے میں کیسی دقت ہوتی اب ایک نظر میں معلوم ہوگیا کہ
کھجور جس کا نام ہے وہ یہ ہے انار جس کو کہتے ہیں وہ ایسا
ہوتا ہے ۔
غرض اسی طرح جانوروں کی آدمیوں کی اور ہر چیز
... کر ... بانی سمجھاتے ہیں۔ جب بچہ دنیا کی سدا اور
... یتا ہے تو پھر حرف سکھاتے ہیں۔ ان کا توڑ جوڑ بتاکر
ایسا کر دیتے ہیں کہ بچہ جلدی سے عبارت پڑھنے لگتا ہے اور
جب عبارت میں اس کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں جن کو باغوں
عجائب خانوں، چڑیا گھروں، بازاروں، اور تصویروں میں دیکھا تھا تو

جھٹ پٹ کتاب کا مطلب سمجھ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولایت والے ہم سے علم میں بڑھ گئے ہیں اور ہم روز میاں جی یا اُستانی صاحبہ کی قمچیاں کھاتے ہیں۔

ہندوستان میں آج کل دو قسم کی تعلیم بچوں کو دیجاتی ہے، ایک انگریزی اور ایک دیسی۔

انگریزی تعلیم کے بہت سے طریقے ہیں شہروں، قصبوں، بستیوں میں سرکار کی طرف سے بھی مدرسے ہیں جن کا سارا خرچ اس کے ذمہ ہے اور خود لوگوں نے بھی چندہ کرکے یا خود ایک آدمی نے اپنے خرچ سے مدرسے کھول رکھے ہیں ان میں بھی اگر خواہش کی جائے تو سرکار کچھ مدد دیتی ہے

چھوٹے بچوں کے مدرسوں کو اسکول کہتے ہیں اور بڑے بچوں کے لئے جن کی تعلیم بڑھ جاتی ہے جو مدرسے ہوتے ہیں ان کا نام کالج ہے، اسکول و کالج ہندؤں نے اور مسلمانوں نے اپنے ذاتی بھی ہر جگہ کھول رکھے ہیں

علی گڑھ کا مشہور کالج بھی انہی میں سے ہے یعنی مسلمانوں نے اپنے خرچ سے اس کو قائم کیا ہے اور سرکار بھی اس میں کچھ چندہ دیتی ہے۔ اس کالج کا حال آئندہ کانفرنس کے سبق میں مفصل بتاؤں گا۔

مسلمانوں سے زیادہ ہندؤں اور آریہ سماجیوں نے اپنے اسکول و کالج بنائے ہیں جہاں انہی کی قوم کے لڑکے پڑھتے ہیں، شاید تم کو اس کی خبر نہ ہوگی ہندوستان میں بیسیوں کالج

ار ہزاروں اسکول عیسائی پادریوں نے کھول رکھے ہیں، جن میں وہ ہندو مسلمان لڑکوں کو بے تامّل داخل کرکے پڑھاتے ہیں۔

اب یہ سمجھو کہ ان میں پڑھایا کیا جاتا ہے؟ سنو! ہندوستان کے کئی صوبے ہیں، ہر صوبہ میں بڑے بڑے پڑھے لکھے ہندو مسلمان انگریز مل کر اپنے صوبہ کے لئے پڑھائی کی کتابیں تجویز کرتے ہیں۔ اور انہی کی تجویز کی ہوئی کتابیں سارے صوبہ کے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنی پڑتی ہیں، جو لوگ پڑھائی مقرر کرتے ہیں اُن کی ایک باقاعدہ جماعت ہوتی ہے جو اصل میں سب اسکولوں اور کالجوں پر حکومت بھی کرتی ہے اس کا انگریزی نام یونیورسٹی ہے۔

یہ یونیورسٹی اسکولوں کالجوں میں طرح طرح کے علم پڑھواتی ہے جن میں تھوڑا سا حصّہ مذہبی بھی ہوتا ہے یعنی دن بھر کی پڑھائی میں صرف ایک گھنٹہ باقی سارا وقت حساب، انگریزی تاریخ، جغرافیہ وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم

ادھر جن اسکولوں اور کالجوں کا ذکر آیا یہ سب لڑکوں کے لئے ہیں، مگر اب سرکار نے اور خود رعیت نے بھی جگہ جگہ لڑکیوں کے لئے اسکول کھولے ہیں مگر شاید ابھی ان کا کوئی کالج نہیں کھلا۔

علی گڑھ میں خاص طور سے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے واسطے ایک اسکول قائم ہوا ہے جس کی بیگم صاحبہ بھوپال نے روپیہ سے مدد کی ہے۔ بیگم بھوپال مدد اللہ کی عورتوں

کو پڑھانے اور لائق بنانے کی بہت کوشش کر رہی ہیں اور انھوں نے لاکھوں روپیہ اس میں خرچ کیا ہے۔

بنگالہ اور بمبئی کے علاقہ میں لڑکیوں نے کالجوں میں لڑکوں کی طرح اونچی تعلیم حاصل کی ہے مگر وہ بہت تھوڑی ہیں۔

تربیت

یہ تو تعلیم کا ذکر تھا۔ اب سنو تربیت کا حال۔ تربیت تعلیم سے بھی زیادہ ضروری چیز ہے۔ وہ جو کہتے ہیں پڑھنا اور گننا۔ گننے کا مطلب یہی تربیت ہے۔

اصلی تربیت تو گھر سے ہونی چاہیے۔ مگر کالجوں اور اسکولوں کے پاس ایک مکان بنا دیتے ہیں جس میں اس کالج و اسکول کے طالب علم رات دن رہتے ہیں اور اُستاد ان کے رہنے سہنے اور چال چلن کی نگرانی رکھتے ہیں۔ اس مکان کا نام انگریزی میں بورڈنگ ہوس ہے۔

ایک مکان میں سینکڑوں لڑکوں کا اکٹھا رہنا بڑا اچھا اثر پیدا کرتا ہے۔ خود بخود ان کی تربیت ایک دوسرے کے دیکھنے سے ہو جاتی ہے اور خربوزہ خربوزہ کو دیکھکر آپ ہی رنگ پکڑ لیتا ہے۔

بورڈنگ میں رہ کر لڑکے کھانا بولنا رہنا سہنا تمیز کے ساتھ سیکھ جاتے ہیں پھر بھی وہ بات حاصل نہیں ہوتی جو انگریزوں میں ہوتی ہے کیونکہ ہمارے ہاں انگریزوں کی طرح گھر کی تعلیم و تربیت اچھی نہیں ہوتی

دیسی تعلیم

خیانہ ہو یا دیسی تعلیم وہ ہے جو ہم کو ملی
مجھکو ملی انصاف تو یہ ہے کہ دیسی تعلیم
میں گو عمر زیادہ خرچ ہوتی ہے مگر آدمی میں لیاقت ولایتی
تعلیم سے زیادہ آجاتی ہے ،،

دیسی تعلیم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو لڑکیاں لڑکے گھروں
میں اماں سے یا کسی اُستانی سے یا میاں جی سے قرآں شریف
پڑھتے ہیں پھر مسجد کے مکتب میں لڑکوں کو بٹھا دیا جاتا ہے
بلکہ اب تو زیادہ تر مکتبوں ہی میں لڑکے جاتے ہیں۔کیونکہ خدا
کے فضل سے اماں جان الف کے نام سے نہیں جانتیں۔ اولاد
کو خود کیا خاک پڑھائیگی ،

مکتب کے مُلاں جی بیچارے جمعرات کی روٹی عید بقرعید
کے انعام پر اللہ واسطے پڑھاتے رہتے ہیں۔ ان مکتبوں میں
قرآں شریف اُردو کی چھوٹی موٹی کتابیں فارسی میں آمدنامہ
کریما نام حق پڑھ کر لڑکے فاصل بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ
کا نام، اگر کسی نے زیادہ کیا اور عربی پڑھی چاہی تو اس کے
مدرسے بڑے بڑے شہروں میں کھُلے ہوئے ہیں ،

دہلی میں عربی پڑھانے کے تیں سے اونچے مدرسے ہیں مگر
ہندوستاں میں دیوبند کا عربی مدرسہ بہت مشہور ہے ،

یہاں قرآں، حدیث، تفسیر، منطق، فقہ، عربی زباں میں
پڑھائی جاتی ہیں۔ لکھنؤ میں نئی روشنی کی عربی ، دینی تعلیم کا
مدرسہ بھی بہت مشہور ہے جس کا نام ندوۃ العلماء ہے۔ اں

مدرسوں کا خرچ چندہ سے چلتا ہے اور عربی پڑھنے والے بیچارے
مسجدوں میں اذان دے کر گذارہ کرتے ہیں اور محلّہ
والوں کی روٹیاں کھاکر علم دین حاصل کرتے ہیں (ندوۃ العلماء میں یہ بات
نہیں ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب غریب ہوتے ہیں، امیر
لوگ تو شروع سے بچوں کو انگریزی میں لگا دیتے ہیں، غریب
دو وجہ سے دین کا علم پڑھتے ہیں، ایک تو یہ کہ ان میں پیسہ
والے لوگوں کے مقابلہ میں دین کی محبت زیادہ ہوتی ہے،
دوسرے اس لئے کہ انگریزی تعلیم کا خرچ آجکل ایسا ہے
کہ ایک لڑکے کا پڑھانا گھر پر ایک ہاتھی کا خرچ باندھ لینا
ہے۔ یہ غریب بیچارے انگریزی پڑھنے کو خرچ کہاں سے لائیں
مجبوراً عربی پڑھتے ہیں جس میں کچھ خرچ نہیں ہے۔ میرا خیال
ہے کہ میں نے تم کو سارے ہندوستان کی پڑھائی کا موٹا
موٹا حال سمجھا دیا اور اب زیادہ تم خود اخباروں میں پڑھ کر
سمجھ لینا اِن سبقوں کو یاد رکھوگی تو تم کو اخبار پڑھنا آجائیگا
کیونکہ تم اور تم جیسی سینکڑوں عورتیں اخباروں کا مطلب کچھ نہیں سمجھتیں
اول تو اخباروں میں اُردو زبان ایسی ہوتی ہے جس کو بچے
اور عورتیں قیامت تک نہ سمجھیں دوسرے ان کے مضمون
عورتوں کی سمجھ میں یوں نہیں آتے کہ وہ بیچاریاں مضمون کی اصل
حقیقت تو جانتی نہیں اس واسطے میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ سبق
اس طرح لکھوں کہ ہر وہ خبر آئینہ ہو جائے جس کا ذکر اخباروں
میں آیا کرتا ہے۔ عورتیں میری ایک کتاب پڑھ کر ہندستان

کی ہر حالت سے واقف ہوجائیں گی ۔

اچھا اب جواب لکھو کہ تعلیم انگریزی میں کیا خوبیاں ہیں اور کیا بُرائیاں ہیں، اور دیسی تعلیم میں کونسی اچھی باتیں ہیں اور کونسی بُری ؟

تم لڑکیوں کے لئے کون سی تعلیم پسند کرتی ہو اور پڑھانے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے تمہاری رائے میں ؟

جلدی بتاؤ ورنہ کسی اور شاگرد نے بتادیا تو تم مُنہ دیکھتی رہ جاؤگی اور مجھے یہ گوارا نہیں ۔

جواب خواجہ جی ! تم نے سب باتیں تو لکھیں مگر یہ نہ لکھا کہ پُرانی روشنی کے سب ہی لوگ بیوقوف نہیں ہوتے۔ بعض جگہ پُرانی روشنی میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ وہ نہ تو انگریزی طریقہ برتتے ہیں اور نہ اس قدر جاہل ہی ہوتے ہیں ۔

لڑکوں کے واسطے میں دیسی تعلیم پسند کرتی ہوں مگر تاہم آجکل جو انگریزی تعلیم کا زیادہ چرچا ہے اس وجہ سے تھوڑی سی انگریزی تعلیم بھی سیکھ لینی چاہئے۔ ورنہ تعلیم تو دیسی ٹھیک ہوتی ہے ۔

اور لڑکیوں کے واسطے تو میں بالکل انگریزی تعلیم کو ناپسند کرتی ہوں ہاں البتہ تربیت انگریزی عمدہ طریقہ کی ہوتی ہے اس میں سے بعض باتیں چُن لینی چاہئیں تربیت بھی لڑکے لڑکیوں کو بالکل انگریزی نہ دینی چاہئے۔ بلکہ پہلے

اسلامی تربیت دینی چاہئے مگر طریقہ وہی رکھنا چاہئے جس میں جو بات اچھی اور شرافت کی دیکھو تو اُسے سیکھ لو مگر اس طرح سے نہیں کہ خود بھی ڈوب جاؤ

جیسے اس زمانہ میں بعض آدمی جنٹلمین سے پھرتے ہیں انگریزوں کی ریس تو کرتے ہیں مگر پوری طرح نہیں کرسکتے، جس کے سبب سے وہ سب کی نگاہ میں حقیر ہو جاتے ہیں، بیچارے نہ اِدھر کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے۔ کیونکہ انگریزوں میں تو ان کی وہ عزت ہوتی ہی نہیں، انگریز ہنستے ہیں ان پر، اگر ہمارے چال چلن کا طریقہ کسی غیر شخص کو نہ آتا ہوگا اور وہ ہماری ریس کرے تو ہمیں خود ہنسی آئیگی۔

اور جو شخص دیسی تعلیم پاکر اور دیسی چال چلکر لیاقت حاصل کرے گا اُس کی آنکھوں میں بھی حقیر ہوتے ہیں

تیسرا سبق (نئی روشنی اور پرانی روشنی)

بیوی تم بڑی یا ہیں؟

جھٹ کہدوگی تم بڑے۔ کیونکہ جانتی ہو، قد میں، عمر میں، علم میں، تجربہ میں تم سے بڑا ہوں،

مگر میرا مطلب اس سوال سے ابھی تمہاری بڑائی چھٹائی نہیں ہے۔ میں تو تم کو دنیا کی حالت سمجھانے کو یہ سبق پڑھا رہا ہوں، یہ سوال تو دنیا کی دو بڑی بڑی بازاروں کے

آئیں میں ہو رہا ہے، ایک برادری کا نام نئی روشنی ہے۔ دوسری کا نام پرانی روشنی ہے، بیوی بڑی یا میاں بڑے؟ اس کی دونوں طرف بحث ہو رہی ہے۔ اور دونوں برادریاں اپنے اپنے زور کی اور عقل کی دلیلیں پیش کر رہی ہیں، اس واسطے میں نے آج کے سبق کا عنوان یہ مقرر کیا تاکہ تم اور تمہاری جیسی اور عورتیں سارے یہاں کی موجودہ گفتگو کو سمجھ لیں اور اس پر اپنی رائے قائم کریں۔

کیوں ی لیلے! پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم نئی روشنی والی ہو یا پرانی روشنی والی؟ ہ ہ یہ کہدیا میرے گھر میں مٹی کا چراغ نہیں جلتا، بیا ولایتی لیمپ روشن ہوتا ہے لہذا میں نئی روشنی کی ہوں۔ کیونکہ نئی روشنی کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ پرانی لکیروں، پرانی رسموں، پرانے خیالوں، غرض اگلے وقتوں کی ہر بات کو بدلنا چاہتے ہیں وہ نئی روشنی والے کہلاتے ہیں اور جو لکیر کے فقیر ہے ہر دقیانوسی گذری ہوئی بات پر اڑے بیٹھے ہیں ان کا نام پرانی روشنی والا ہے۔

نئی روشنی کے لوگ کہتے ہیں، بیوی بڑی میاں چھوٹے یا یوں سمجھو کہ ان کے خیال میں عورت کا درجہ بڑا ہے اور مرد کا کم۔ ان کا زبانی دعوے کھلم کھلا تو یہ نہیں ہے۔ کہتے تو یوں ہیں کہ عورت کے حقوق مرد کی برابر ہیں، عورت کسی بات میں مرد سے کم نہیں اس واسطے اس کو ناقص نہ کہنا چاہیے، مرد کے برابر سمجھنا چاہیئے۔

یہاں تک تو عورت مرد کے برابر انھوں نے کہی۔ آگے بڑھ کر بولے کہ چونکہ عورت کمزور ہے یعنی مرد کے مقابلہ میں اس کا بدن کم طاقت ہے اس واسطے مرد کو اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس کی خدمت کرنی چاہیئے۔ حد ہے کہ اس کا ادب کرنا چاہیئے۔

عورت کھانے میں ساتھ بیٹھی ہو اور باتیں کر رہی ہو تو تم سب سے بے رُخ ہو کر اس سے باتیں کرو۔ چاہے ساری رات گزر جائے وہ اجازت نہ دے تو ہاتھ باندھے بیٹھے رہو، اگر اُٹھ کر چلے جاؤ گے تو عورت کی بے ادبی ہو گی جس کو انسلٹ اور توہین کہتے ہیں۔

عورت تم کو دیکھ کر مسکرائے تو اس کو فوراً سلام کرو کیونکہ اس کا مسکرانا سلام کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اگر وہ نہ مسکرائے تو سلام ہرگز نہ کرو کیونکہ یہ بے ادبی ہے عورت ذات کی کہ خواہ مخواہ اس کو سلام کیا جائے

گھر میں داخل ہو تو پہلے عورت اندر جائے تم ادب سے پیچھے پیچھے رہو، یہ نہیں کہ بیوی لونڈیوں کی طرح میاں کے پیچھے چلے، اس کا رتبہ بڑا ہے اس کو آگے چلنا چاہیئے

عورت کسی مرد سے بات کرے، یا اس کو خط لکھے تو تم باوجود اس کے شوہر ہو یہ حق نہیں رکھتے کہ عورت سے پوچھو کہ یہ کون مرد تھا تم نے کس کو خط لکھا، کیونکہ اس میں عورت کی توہین ہے اور کم درجہ والے مرد کو عورت سے جس کا درجہ

بڑا ہے اس قسم کے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔
غرض اسی طرح کی بہت سی باتیں نئی روشنی والوں کی ہیں، یہ نئی روشنی چونکہ گورے ملکوں سے آئی ہے جہاں کی عورتوں میں پردہ کا رواج نہیں ہے اس واسطے ان کے ان کے ہاں غیر مردوں سے ملنا جلنا، بات چیت کرنا، خط وکتابت کی رسم بڑھانا عیب نہیں ہے۔ ہندوستان کی نئی روشنی والوں نے ابھی ہر جگہ پردہ نہیں اُٹھایا ہے اس لئے ان میں ابھی عورت کو اتنی آزادی تو نہیں ملی جس کا اوپر کی مثالوں میں ذکر آیا لیکن خیال اُن ہندوستانی نئی روشنی والوں کا بھی یہی ہے کہ عورت کو اوپر کے بیان کئے ہوئے سب حقوق ملنے چاہئیں۔
پُرانی روشنی والے کہتے ہیں عورت ناقص العقل ہے۔ مرد بڑا وہ چھوٹی۔ عورت کا درجہ مرد کے برابر تو کجا اس سے بہت کم ہے۔ عقل اس کی چھوٹی، بدن اس کا کمزور، کسی بات میں مرد کی برابری نہیں کرسکتی، اس واسطے اس کو مرد کا تابعدار رہنا چاہئے۔ اور مرد کا ادب لحاظ اس پر فرض ہے عورت فقط اتنی آزاد ہے کہ اپنے مذہبی فرائض ادا کرلے اور گھر کے انتظام میں خاوند کی نگرانی کے ساتھ خودمختار ہو، اپنی مرضی کی چیزیں کھائے، اپنی خوشی کا لباس پہنے، مگر اس کو ملنے جلنے کی مرد کیا غیر عورتوں سے بھی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

تم سمجھیں یہ نئی روشنی اور پُرانی روشنی کی لڑائی ہے جوں جوں انگریزی تعلیم بڑھتی ہے، لڑکیاں پڑھائی میں ترقی کرتی ہیں۔ نئی روشنی کے خیالات کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ اور پُرانی روشنی کا زور ٹوٹتا جاتا ہے۔ ان کے مولوی ان کے پنڈت لاکھ دلیل بازی کریں اور قرآن و وید کی آیتوں کو پڑھیں مگر نئے زمانہ کی رَو سب کو بہائے لئے چلی جاتی ہے۔ نقار خانہ میں طوطی کی کوئی نہیں سُنتا اس واسطے کہ نئی روشنی کے پاس حکومت ہے، روپیہ ہے، اور ولایت کے بڑے بڑے ملکوں کی بڑی بڑی قومیں اس کی مددگار ہیں۔ دیکھ لینا چند روز کے بعد تم برقع کی نقاب اُٹھائے بوٹ پہنے دہلی کے نئے باغ کی سیر کو نکلو گی اور میں غریب پُرانی روشنی کا چوغہ پہنے اس کی دامنوں کو سنبھالتا ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا جھڈی جوتیوں کو گھسیٹتا، ہانپتا کانپتا، تمھارے پیچھے پیچھے ہونگا تم تیوری بدل کر کہو گی کس قدر پُرانے آدمی ہو صاحب تم نے یہ لمبا چوغہ کیوں پہنا ہے جو سنبھل نہیں سکتا؟ اور جوتیاں تمھاری اس قدر ٹوٹ گئی ہیں مگر تمھیں ان کا ذرا خیال نہیں؟ مُنہ تو دیکھو پان کی پیک ڈاڑھی پر بہ رہی ہے باغ میں کوئی سہیلی مل گئی تو مجھ کو بڑی شرم آئے گی یہ کہکر کہ ملئے یہ میرے شوہر ہیں۔

لیلےٰ! آج تم کانوں پر ہاتھ دھرو، مجھکو یہ یقین نہ دلاؤ کہ توبہ توبہ، لوح میں کیوں ایسی ہونے لگی۔ میرا مطلب

تم سے نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی عام حالت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ آگے چلکر بہت جلدی ہم لوگوں کی یہ گت بننے والی ہے، اگر پہلے سے اس کی روک تھام نہ ہوئی

خیر تو اس سبق کا سوال یہ ہے کہ تم عورت کو مرد سے بڑا سمجھتی ہو یا برابر جانتی ہو یا کم؟ اور تمہارے نزدیک اگر عورت کا درجہ وہی ہے جو پُرانی روشنی والے مانتے ہیں۔ اور جس کا دین اسلام نے حکم دیا ہے تو بتاؤ کہ آیا تمہارا دل نئی روشنی کی آزادی کو پسند بھی کرتا ہے یا نہیں؟

یعنی گو تم عقیدہ اور خیال تو یہ رکھتی ہو کہ عورت کا درجہ مرد سے کم ہے مگر پھر بھی عورت کو آزادی ملے اور مردوں کی ہر وقت کی نگرانیاں ہٹیں۔ اور عورتوں کو غیر مردوں سے نہیں تو غیر عورتوں سے تو بے تکلف بات چیت میل جول کا اختیار ہو جائے اور وہ پردہ کی پابندی کے ساتھ دنیا بازار میں لگکر چلیں پھریں جیسے کہ عرب اور ترک عورتیں بازاروں میں پھرتی ہیں، سودا خریدتی ہیں باغوں کی سیر کرتی ہیں تو کیا حرج ہے؟

تم ٹھوک سے اپنے دل کی حالت کہو کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ کیونکہ مجھے اس کا امتحان کرنا ہے کہ آیا قدرتی طور سے عورت میں مرد کی طرح سیر سپاٹے کی اُمنگ ہے یا گھر میں بیٹھا رہنا اور خانہ داری کی مصروفیت ہی اس کی اصل خواہش ہے اور یہ ساری آزادیاں یکھا دیکھی اور ایک دوسرے کی

ریس سے پیدا ہوئی ہے

تم جو بات کہو گی، وہ ٹھیک ہو گی کیونکہ ابھی تم پر نئی روشنی کا اثر پڑا ہے نہ پرانی روشنی کا پکا رنگ چڑھا ہے۔ تمہارا جواب سنکر مجھ کو آئندہ زمانہ کی بُری باتوں کے سنبھالنے اور روکنے میں ایک راستہ ملے گا اور اِس فطرتی تجربہ سے میرے ارادوں کو نئی قسم کی مدد ملے گی۔

جواب - خواجہ صاحب! میں تو عورت کا درجہ مرد سے کم سمجھتی ہوں اور نہ میں نئی روشنی کو پسند کروں۔ آزادی کو

میرا خیال یہ بھی نہیں ہے کہ مردوں کی ہر وقت کی حکمرانیاں ہٹیں۔ مرد کا حق ہے کہ وہ عورت پر حکمرانی کرے اور عورت کو چاہئے کہ مرد کی اطاعت کرے۔ اور عورت کے دل میں مرد کی طرح سیر سپاٹے کی اُمنگ بھی نہیں ہوتی۔ عورت کی اصلی خواہش گھر میں بیٹھا رہنا اور خانہ داری کی مصروفیت ہی ہے نئی روشنی کی عورتوں میں جو سیر سپاٹے کی اُمنگیں ہیں نہ صرف دیکھا دیکھی دوسروں کی ہیں۔ ورنہ اصلی شیوہ یہ عورتوں کا نہیں ہے۔

اکثر مردوں کی بے رحمیاں اور ظلم کے حالات سُننے میں آتے ہیں۔ میں عورت ہوں مجھے اپنے فرقے کی حمایت کرنی چاہئے مگر میں اس کے بھی خلاف ہوں، یہ میں بھی جانتی ہوں کہ بعض مرد بے جاری بے کس عورتوں پر بے طرح ظلم کرتے ہیں۔ لیکن لکھنے والوں کو چاہئے کہ تصویر کا ایک ہی رُخ دکھلائیں دونوں

کچ تقدیر کے دکھلایا کریں۔

مرد تو ظلم کرتے ہیں مگر عورتوں نے بھی اطاعت شعاری سے بالکل ہاتھ اُٹھالیا ہے، گویا سچ مچ یہ مرد سے زیادہ ہی درجہ رکھتی ہیں۔

چوتھا سبق (دمڑی)

لیجئے لیلے صاحب چوتھا سبق کیسا مزیدار ہے، اشرفی ہیرا، نوٹ ہیں، روپیہ پیسہ ہیں، حد ہے کہ پون پیسہ اور دھیلا بھی ہیں۔ ایک دمڑی کی قسمت جاگی، اور تمھارے سبق میں آئی۔

اس دمڑی سے میری مراد دولت ہے جس سے ہم سب کے کام کاج چلتے ہیں۔ میں نے دمڑی کو اس واسطے انتخاب کیا کہ ایک غریب قوم کا آدمی ہوں۔ اشرفی، نوٹ، روپیہ میرے پاس اگر ہوں بھی تو کیا فائدہ؟ میرے کروڑوں بھائی تو دمڑی دمڑی کو محتاج ہیں اس واسطے میں ان کے شریک حال ہوکر آج کے سبق کو دمڑی سے شروع کرتا ہوں تم کو اپنے بچپن کا ایک قصہ سناؤں کہ میں نادانی کے زمانہ میں دمڑی کو کیسا عزیز رکھتا تھا۔ اور کیسا بڑا جانتا تھا۔ میری عمر شاید دس برس کی ہوگی گلی میں ایک پیسہ کی صراحی اماں کے واسطے لئے جارہا تھا کہ بھائی شمشاد علی ملے اور انھوں نے ہنسی سے کہا اگر اس کو تم چھوڑ

ڈالو تو دمڑی کی کوڑیاں دوں گا

میں نے خیال کیا، پیسہ آنا ذرا سا، دمڑی کی کوڑیاں اتنی زیادہ بڑے نفع کی بات ہے۔ فوراً بغیر سوچے اور غور کئے صراحی پھوڑ ڈالی اور دمڑی کے لئے ان کے سر ہوگیا۔ بھائی شمشاد زندہ موجود ہیں بچارے گھبرا گئے اور بازار جاکر پیسہ بھنایا اور مجھ کو دمڑی کی کوڑیاں دیں۔ کوڑیاں لیکر گھر گیا اور اماں سے یہ قصہ کہا تو وہ بہت رونے لگیں اور مجھ کو گلے لگا کر پیار کیا، اور کہا تو بھی کس قدر بے عقل ہے ارے دمڑی زیادہ ہوتی ہے یا پیسہ؟ میں نے پھر کہا دمڑی، اور کہا تم روتی کیوں ہو؟ وہ بولیں اس لئے روتی ہوں کہ جب میں مرجاؤں گی، تو تجھ ناسمجھ بھولے کا کیا حال ہوگا جس کو آج تک دمڑی اور پیسہ کا فرق معلوم نہیں

آہ اسلئے اگر آج وہ جیتی ہوتیں تو تم ان کو یہ سبق سناتیں اور کہتیں کہ لو تمہارے بھولے نے دمڑی کا سبق لکھا ہے

مگر ہائے میری قسمت میں یہ نہ لکھا تھا وہ تو مجھ کو سچ مچ تیرہ برس کا چھوڑ کر مرگئیں اور چار مہینے بعد ابا بھی چل بسے کوئی نہ رہا جو ہماری تمہاری اس نئی جلد و کتابت کا مزا اٹھاتا

ابا ہوتے تو مسکرا کر چپ ہو جاتے کیونکہ وہ بڑے

بڑدبا اور بھاری بھر کم تھے۔ مگر اماں دس صلواتیں تو مجھکو سناتیں اور بیس باتیں تم کو کہتیں کہ لو نئی روشنی سے بگڑے ہیں۔ کیا شریفوں میں ایسی خط وکتابت ہوا کرتی ہے اور دنیا میں گھر گھر اس کو بانٹا کرتے ہیں، خبردار جو ایسا ارادہ کیا۔

ہاں تو دمڑی مسلمانوں کی مفلس قوم کا سب سے بڑا خزانہ ہے۔ میں اس سبق میں تم کو یہ بات بتانی چاہتا ہوں کہ نئی روشنی جس چیز کا نام ہے وہ دمڑی کمانا اور اس کو خرچ کرکے عیش اُڑانا ہے ہندوستان نہیں ساری دنیا آجکل پیسہ کمانے پر تلی ہوئی ہے اور جینے اور دنیا میں رہنے کا مطلب یہی سمجھتی ہے کہ چار پیسے حاصل کریں اور ان سے زندگی کی بہار لوٹیں۔

کل اور پرسوں جو سبق تم کو دیئے ہیں ان میں دین و مذہب او تعلیم و تربیت کا ذکر تھا۔ اگر غور کرو تو اُن دونوں میں بھی دمڑی کا دخل ہے بغیر دمڑی کے، دین کا کام پورا ہوسکتا ہے۔ تعلیم، تربیت کا۔ انسان زمین پر پیدا ہوا ہے کہ اس پر رہنے کے لیئے مکان اس کو اسباب کی ضرورت ہے اور اسباب روپیہ پیسہ سے آیا کرتا ہے کچھ حرج نہیں ہے اگر ہم بھی زندگی بسر کرنے کو روپیہ پیسہ کمائیں اور فراغت کے ساتھ زندگانی کے دن کاٹیں مگر لیبلے جی آجکل تو یہ اندھیر ہے خدا کچھ نہیں، رسول کچھ نہیں، حق اور انصاف کوئی شے اس کو کچھ نہیں پیسہ ہے، اتنا کا ادب ہے تو روپیہ

غرض سے بادشاہ کی عزت ہے تو روپیہ کی خاطر، دوستوں
کی دوستی ہے تو روپیہ کی لالچ سے، غرض بیٹا بیٹی بہن بھائی
خصم جورو جتنے ہیں سب روپیہ کو دیکھنے والے ہیں رشتہ کی
محبت کو کوئی نہیں پوچھتا۔

یہ میں تم کو اس لئے لکھ رہا ہوں اور سبق میں
اس واسطے شامل کیا ہے کہ موجودہ ہندوستان کی حالت
کو سمجھنے اور اس کے کاروبار کی حقیقت کو جاننے سے پہلے
اس جڑ کا پہچاننا ضروری ہے۔

آگے جاکر جتنے سبق آئیں گے سب میں بی دمڑی
خانم یعنی روپیہ کا قدم ضرور ہوگا۔ روپیہ کی طمع نے بڑی
خرابیاں ڈالی ہیں اگرچہ ہر زمانہ میں روپیہ کے لالچ نے
غضب ڈھائے ہیں مگر آجکل کا سا حال کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں
کا دین ایمان تک روپیہ ہوگیا ہے۔

کوئی شخص اگر ہندوستان میں اصلاح کا بڑا کام
کرنا چاہے جیسے کہ ہمارا تمہارا خیال ہے تو اس کو مقدم
اس مشکل کا حل کرنا ہوگا کہ خلقت کے دلوں سے روپیہ
کی ایسی اندھی محبت کیونکر دور ہو۔ جب وہ اس مشکل کو
فتح کرے گا تو پھر ہر کام میں دوڑتا ہوا بڑھتا چلا جائے گا۔
اور اس کو آگے بڑھ کر کچھ بھی دقت نہ ہوگی۔

ہمارے دین اسلام نے روپیہ کی زیادہ محبت سے
روکا ہے ضرورت کے قابل روپیہ کمانے کی اجازت دی ہے

یہ نہیں کہ آنکھ کھلی نہ خدا کا نام نہ رسول کا نام۔ نہ وضو نہ نماز، روپیہ کی فکر میں سرشار ہو گئے اور روپیہ بھی کیسا نہ حرام دیکھتے ہیں نہ اس کا خیال کرتے ہیں کہ دغا بازی ہوگی، نہ یہ سوچتے ہیں کہ غریبوں کی حق تلفی ہوگی، بس جس طرح ہو روپیہ آئے اور بنک میں جمع ہو۔

آج دنیا میں ایسے لاکھوں آدمی ہیں جن کو اپنی دولت کا شمار بھی یاد نہیں، بنکوں میں ان کے خزانے ہیں، مگر کھاتے ہیں وہی ڈیڑھ پاؤ آٹا جو مفلس کھایا کرتے ہیں۔ جیا ہو کہ کچھ زیادہ خوراک بڑھ جائے نہ ایک کو بھی بسیت نہیں اور پھر فکر رات دن کا الگ سر پر سوار رہتا ہے کہ کوئی لوٹ نہ لے چرا نہ لے جائے یا کوئی اور آسمانی بلا نہ ٹوٹ پڑے۔

ہم آدمیوں میں جس قدر خرابیاں پڑی ہوئی ہیں اور جیسا نام نمود کا خبط ہم پر سوار ہے یہ سب روپیہ کی بدولت ہے۔ ہندوستان تو کم بخت از حد غریب ہے مگر سارے جہان میں دولت والا مشہور ہے اس کے رہنے والے دوسروں کی دیکھا دیکھی آجکل روپیہ والا بننے کے جنون میں مبتلا ہیں حلال اور پاک کمائی کا خیال تو آجکل احمق پن سمجھا جاتا ہے۔ ہر ایک کی یہ تمنا ہے کہ عقلمند ہوں اور وہ بغیر روپئے کے کسی کو عقلمند مانتی نہیں۔

قصہ کوتاہ دمڑی کی خرابیوں میں غریب عورتیں بھی

مبتلا ہوتی جاتی ہیں [illegible] نئے فیشن، نئے نئے لباس، نئے
نئے [illegible] یاں روپئے سے چلائی ہیں اور باہر
کے ملکوں کی [illegible] اس میں زیادہ حصّہ لیتی ہیں، ہندوستان
میں جوں جوں تعلیم بڑھے گی یہاں بھی عورتیں فضول خرچ
اور روپیہ کی متوالیاں بن جائنگی۔

اب تم بتاؤ کہ تمہارا جی یہ چاہتا ہے کہ تمہارے پاس
بہت سا روپیہ ہو، بہت سا کپڑا ہو، بہت سا زیور ہو، اچھی
اچھی سواریاں ہوں۔ اچھے اچھے مکان ہوں، حکومت چلانے
کو نوکر ہوں، سلام بیوی سلام بوی کہنے والی مامائیں ہوں۔
یا یہ چاہتی ہو کہ عزّت آبرو سے پاک صاف کپڑے تن
ڈھکنے کو اور بدن کو سلامت رکھنے کے قابل حلال روٹی
کھانے کو، برسات، گرمی، دھوپ جاڑے کی سردی سے بچنے
کے قابل مکان رہنے کو ملے اور کچھ نہیں؟

یہ خیال نہ کرنا کہ میں تم پر مضمون کی آڑ میں زور ڈالتا
ہوں کہ عزّت دار کپڑوں اور زیوروں کا خیال چھوڑ دو کیونکہ
مجھے تو پہلے ہی معلوم ہے کہ تم اس کی ہوس نہیں رکھتیں
میری غرض یہ ہے کہ تم اپنی دوسری بہنوں کی نصیحت
کے لئے اپنا دلی خیال ظاہر کرو اگر تمہارے دل میں
اوپر کی کسی اچھی چیز کا ارمان ہو تو لکھو، تم کو وہ نہ ملے
نہ سہی مگر تمہارا ارمان تو معلوم ہو جائیگا اور اس سے
تو آگاہی ہو جائیگی کہ میں جو خیال رکھتا ہوں اس میں فلاں

والی بات ترمیم اور بدلنے کے قابل ہے

جواب:۔ خواجہ جی! میں ضرورت سے زیادہ روپیہ کی ہوس نہیں رکھتی۔ پہننے کو صاف کپڑا اور رہنے کو مکان اور صحت کے موافق کھانا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں چاہتی

زیور کی بات تو تم خود جانتے ہو کہ میں اسے بالکل ہیچ سمجھتی ہوں۔ اب رہا نوکروں چاکروں کا آگے کام کرنا اس کی بھی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اگر نوکریں روپیہ پیسہ کے لالچ سے بی بی سلام بی بی سلام کہیں گی تو کچھ ہماری عزت نہ بڑھ جائیگی۔ مجھ کو اور سب بہنوں کو وہ شریف مزاج پیدا کرنا چاہئے جس سے کہ سب عزیز رکھیں اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنا چاہئے، مگر افسوس آجکل بہنیں دولت کی طمع میں اس قدر مدہوش ہیں ان کے مزاجوں میں پیسے ٹکے کی طرح حظ سماگیا ہے وہ یہ نہیں سمجھتیں کہ اگر ان کو تعلیم دی گئی ہے تو اس واسطے نہیں دی کہ تم دوسروں کی دیکھا دیکھی ان کی ریس کرکے بالکل تباہ و برباد ہوجاؤ۔ خدا اور رسول کے فرمانے کے موجب تو ہمیں تعلیم دی گئی کہ ہم اس کے احکاموں پر چلیں۔ جب ہمیں دولت کی ہوس پیدا ہوگئی تو کچھ نہیں دکھلائی دے گا کہ آیا یہ حلال کی روزی ہے یا حرام کی یا ہم کسی کی حق تلفی کر رہے ہیں

غرض بیسیوں طرح کی خرابیاں ہیں اور ہم سب اس میں مبتلا ہیں۔ خدا سب بہنوں کو اتنی سمجھ اور ہدایت دے کہ وہ اپنے اچھے بُرے کو سمجھیں۔

پانچواں سبق (ناک)

سلونی کان والی آج میں ناک کا سبق سناتا ہوں تم نزلہ زکام کی مریض، ہمیشہ چھینکیں لیا کرتی ہو ناک کا سبق دیکھتے ہی خوش ہو جاؤ گی کہ شاید ناک کے مضمون میں تم کو کوئی نسخہ نزلہ کا معلوم ہوگا، مگر میں تو آج ساری دنیا کی ناک کاٹے بیٹھا ہوں اس کے علاج سے مجھے کیا سروکار؟

دل و جان ذرا مجھے بتا کہ میں ان بے شمار مردوں اور عورتوں کی ناک کیونکر کاٹوں، بادشاہ ان میں ہیں، شہزادیاں ان میں ہیں۔ بڑے بڑے پادری، نامی نامی پنڈت، اونچے اونچے مولوی، لاکھوں مریدوں کے پیر، پڑھے لکھے، جاہل گنوار، غرض کوئی بھی ایسا نہیں جس کی مجھے ناک کاٹنی نہ ہو اب اگر میری بیوی ہو، شریک زندگی ہو، اور میرے کام میں ہاتھ بٹانا اپنا فرض سمجھتی ہو تو اُٹھو دوپٹہ کو سنبھال کر اوڑھو، آستیں چڑھاؤ۔ میں ایک ایک کو پچھاڑتا جاؤں، تم اُسترے سے اس کی ناک اُڑانی شروع کر دو

اس خونی کام سے تمہارا جی لرز گیا ہوگا تم کہو گی

ووئی تم کسی کی ناک کیونکر کاٹنے لگی، میں کہونگا۔ دیوانی یہ سب ناکیں کاٹنے ہی کے قابل ہیں، ان ناکوں نے دنیا کا ستیاناس کر دیا۔ خیال کرو میں اس ناک کی داستان تم کو سناؤں،

کہتے نہیں شادی میں جی کھول کر خرچ نہ کیا تو ناک کٹ جائیگی، غمی میں اماجان کے پھول دسواں، بیسواں، چالیسواں دھوم سے نہ ہوا تو ناک خالی رہیگی۔ میرا مطلب ان ناکوں کے کاٹنے سے ہے یہی ناکیں ہیں جنھوں نے خون خرابے مچا رکھے ہیں، یہی موذی ناک ہے جس کے ہاتھوں ہم ہندوستانی اور پھر ہم مسلمان تباہ ہوئے جاتے ہیں

ان سطروں میں تم کو دنیا کی حالت کا سمجھانا میرا اوّل سے مقصد ہے، اور ناک ایسی چیز ہے جو دنیا کی ہر بات میں موجود نظر آتی ہے۔ اس کو سمجھ لوگی تو سارے جہان کو سمجھ جاؤگی ۔

جانتی ہو جرمن، روس، فرانس، انگریز، ترک وغیرہ میں جو یہ جنگ ہو رہی ہے لاکھوں مرچکے، لاکھوں مرنے مارنے کو پل پل کر میدانوں میں جا رہے ہیں۔ پوچھو آخر اس کا سبب کیا ہے؟ کیا بتاؤں سب کوں نہیں جانتا کہ یہی شریر ناک ہے جرمن نے کہا سارے سمندر پر انگریزوں کے جہاز حکومت کرتے ہیں اور میری اس سے ناک کٹتی ہے، روس اتنا بڑا ملک لئے بیٹھا ہے اور میں ایسے چھوٹے

ملک کا بادشاہ اس سے میری ناک پر حرف آتا ہے کیونکہ علم مجھ میں سب سے زیادہ، ہنر مجھ میں سب سے بڑھکر روپیہ میرے پاس بے شمار، ہتھیاروں کی میرے ہاں افراط، پھر کیا سبب کہ میری ناک دوسروں سے چھوٹی رہے۔ یہ کہا اور ناک کی خاطر تلوار کھینچکر کھڑا ہوگیا۔ ادھر سے روس، فرانس، انگریز، اٹلی، رومانیہ بھی اپنی اپنی ناک کو بچانے کے لئے میدان میں نکل آئے، اور لگی شپاشپ تلوار چلنے۔ دھواں دھواں بندوق دغنے گڑ گڑ توپ گرجنے، کیا کچھ ان لڑائیوں سے دنیا پر وبال آیا، کتنی بیچاریاں بے وارث ہوگئیں، کس قدر بچے بن باپ کے بن گئے، ملکوں میں کال پڑگیا، جہاں سنو یہی ذکر ہے کپڑا مہنگا، غلہ مہنگا، برتنے کی ہر چیز گراں، مفلسوں کا تو کیا ذکر، بڑے بڑے پیٹ بھرے چیخ اُٹھے ہیں اور لڑائی نے سب کے اوسان باختہ کردیے ہیں

یہ کم بخت ناک آگے جاکر خبر نہیں اور کیا کیا رنگ دکھائے گی، ابھی تو بسم اللہ سمجھو۔

بھلا پوچھو کہ کیوں بھائی قیصر جرمن آجکل تمہاری ناک کتنی بڑی ہوگئی ہوگی، دنیا کو زیر و زبر کرنے کے بعد امید تو ہے کہ تمہاری ناک ہزار دو ہزار گز تو لمبی ہو جائیگی

یہ تو بادشاہوں کی ناک ہوئی اب سنو شہزادیوں، امیر عورتوں کی ناک کا قصہ

یہ چاہے گورے ملکوں میں ہوں یا ہندوستان کے کالے دیس میں ہوں ناک ان کی ہر جگہ یکساں ہے۔ خزانے کے خزانے اپنی ناک کی خاطر لٹائے ڈالتی ہیں۔ کپڑا ہو تو ایسا بڑھیا کہ کسی دوسری عورت کے پاس نظر نہ آئے ورنہ ناک کٹ جائے گی، زیور ہو تو ایسا کہ سب سے نرالا سب سے انوکھا سمجھا جائے، نہیں تو پھر ان کی ناک کہاں رہے گی۔

جو عورتیں بیچ کی راس یا کم درجہ کی ہیں ان کو اپنی حیثیت اور حالت کے موافق ناک کا خیال رہتا ہے، بچارے خاوند کماتے کماتے تھکے جاتے ہیں اور ان کی ناک اُڑاتے اُڑاتے نہیں تھکتی، جب دیکھو گھر میں یہی رونا ہے کہ میرے پاس شادی و مہمانی میں جانے کے قابل جوڑا نہیں، جوتی نہیں، گہنا نہیں، میں کس ناک سے وہاں جاؤں، تم کو تو ذرا ناک کٹائی کا خیال نہیں آتا۔ باہر گلچھرے اُڑاتے پھرتے ہو، گھر کی بیوی کی ناک کٹے یا رہے تمھیں اس کی کیا پروا

پادری صاحب عیسائیوں کے دینی باپ دنیا کو لات مارے بیٹھے ہیں مگر دنیا کی ناک سے وہ بھی خالی نہیں۔ گرجا بنائیںگے تو ایسا اونچا اور بڑا کہ دوسرے فرقہ کے عیسائیوں کے گرجا سے بڑھ جائے نہیں تو ان کی ناک کٹ جائے گی۔

کوئی کہے حضرت عیسیٰؑ نے تو رہنے کو گھر تک نہ بنایا تم یہ لاکھوں روپئے عمارتوں میں کیوں خرچ کئے ڈالتے ہو؟ حضرت عیسیٰؑ جنگل میں رہا کرتے تھے، تم بھی ان کی پیروی کرو، مگر کہے کون؟ پادری صاحب کی ناک سے سب ڈرتے ہیں۔

پنڈت جی مہاراج تو خدا کی طرف سے بڑی ناک لیکر آئے ہیں کیونکہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ پنڈت خدا کے سر سے پیدا ہوئے ہیں اور راجہ مہاراجہ خدا کے بازو سے اور سیٹھ بقال خدا کے پیٹ سے اور کرم کمیں خدا کے پیروں سے، پس جب پنڈت جی خدا کے سر سے نکلے تو ظاہر ہے کہ ناک منہ پہ ہوتی ہے اور منہ سر میں ہوتا ہے ان کی ناک جتنی بڑی ہو کم ہے

یہ اپنی ناک کی خاطر خدا کی باتیں کسی غیر ذات کے ہندو کو نہیں پڑھنے دیتے۔ وجہ یہ کہ کوئی دوسرا خدا کے علم سے خبردار ہو جائے گا تو ہماری ناک کٹ جائے گی کیونکہ خدا کے سب بھید تو ہمارے ہی گھر میں رہنے چاہئیں اور سب ہندوؤں کو ہمارا تابعدار رہنا لازم ہے۔

ان لمبے چوغے لمبی ڈاڑھی، عصا ٹیک ٹیک کر چلنے والے مولوی صاحب کا بھی ناک کے پیچھے وہی حال ہے جو سب کا ہے، یہ تو قرآن شریف پڑھتے ہیں، حدیث پڑھتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ عزت فقط خدا رسول کے واسطے

ہے کہ تم لوگ ناک پر گھمنڈ نہ کیا کرو، مگر یہ مولانا صاحب سب حکموں کو گھر کے طاق میں ڈالے رکھتے ہیں۔ جب کسی دوسرے مولوی صاحب سے بحث ہوتی ہے تو چاہے وہ بات ناحق ہو مگر اس پر اڑے رہتے ہیں، کیونکہ اگر اس کو مان لیں اور حق بات کا اقرار کر لیں تو دنیا میں ان کی ناک نہ کٹ جائے

مسئلوں کے معاملہ ہی میں فقط ان کو خیال نہیں ہے بلکہ گھرداری میں یہ اور ان کی تیز مزاج بیوی سارے جاہل لوگوں سے بڑھ کر ہیں۔ ہر وقت بیوی کے گہنے پاتے کا فکر رکھتے ہیں ورنہ ان کی عزت رکرکری نہ ہو جائے اور عورتوں میں ان کی ناک نہ کٹ جائے

اگر یہ بیچارے کبھی انصاف پر آتے ہیں اور ناک کے خیال کو بیوی کے دل سے نکالنے پر آمادہ ہوتے ہیں تو بیوی ایسی علّامۂ دہر ہیں کہ ان کو خاطر میں نہیں لاتیں۔ بار بار بچارے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر اور کھنکار کھنکار کر قرأت کے ساتھ بیوی کو سمجھاتے ہیں لیکن وہ ایسی کھری کھری سُناتی ہیں کہ الٰہی پناہ، غریب دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں

انھوں نے کہا تمھارے پاس ابھی تو جوتی ہے نئی منگا کر کیا کرو گی؟ بیوی بولیں تمھیں اس سے کیا؟ ہم نے کہہ دیا کہ ایک نئی وصلی کی جوتی لا کر دو، گھر میں تمھاری حجت ماری

نہیں چلے گی، یہاں سیدھے رہا کرو ورنہ دیکھنا ریدگی تلخ ہوجائے گی۔ مجھے کیا خبر تھی تم ایسے کنجوس مکھی چوس ہو، میں نے تو تم کو بڑا پیسہ والا سنا تھا۔

کل تم وعظ کہو گے گھر میں عورتیں آئیں گی۔ میری یہ بڑانی جوتی دیکھیں گی تو بتاؤ میری ناک رہیگی یا جائیگی ایسا ہی صرفہ کرنا تھا تو کسی حلال خوری یا دھوبن سے نکاح کیا ہوتا۔

اب ایک نظر ان پیر جی صاحب پر بھی ڈالنا پڑے خدا رسیدہ ہیں سارے ہندوستان میں ان کے لاکھوں مرید ہیں۔ ہزاروں روپیہ نذرانہ آتا ہے۔ گھر کی جاگیر بھی ہے عرس کرتے ہیں تو ایک ہزار روپیہ فقط روشنی میں خرچ ہوتا ہے، بریانی، فیرنی، قورمہ، شیرمال کی تین دن عام دعوت رہتی ہے۔

اگر دریافت کرو کہ حضرت اس فضول خرچی سے کیا حاصل روشنی میں اتنا روپیہ آپ نے برباد کیا مریدوں کو اور عام لوگوں کو لاؤ قورمے کھلائے اس سے کیا حاصل ہوا؟

روشنی اتنی کافی تھی کہ مہمان آرام سے رہ سکتے اور کھانا ایسا دیا مناسب تھا جس سے پیٹ بھر جاتا۔ یہ جو آپ نے ہزارہا روپیہ پر پانی پھیر دیا تو کے رکعت کا ثواب ہوا، بچتا تو خانقاہ اور درویش دو ہزار کے سال بھر

کام آتا اور وہ فراغت سے کھاتے اور اللہ اللہ کرتے تو چپکے سے تمہارے کان میں کہینگے کہ میاں خاموش رہو یہ ناک انہی خرچوں کی بدولت ہی ہے اتنی دھوم دھام نہ ہو تو چار دن میں نٹ پونجیا فقیر کہلانے لگوں، ناک کی خاطر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

جاہل گنواروں میں تو ناک کا اتنا خیال ہو گیا ہے کہ وہ بچارے اصل نفع نقصان کو سمجھتے ہی نہیں، غریب سے غریب دھوبی، سقہ، نائی شادی کرنے کھڑا ہوتا ہے تو اپنی لوٹی لوٹی کو قرضدار بنا کر ساری برادری کو گھی شکر کی دعوت دیتا ہے۔ بھانڈوں رنڈیوں کے مجرے کراتا ہے، چاروں کی واہ واہ سنتا ہے اور پھر قرضخواہوں کی بدولت جیل خانہ میں سڑ سڑ کر مرجاتا ہے۔ کہا جاتا، شروع میں کوئی سمجھاتا کہ حضرت چادر دیکھ اتنے پاؤں پھیلا حد سے نہ بڑھ تو یہی جواب دیتا کہ میاں آخر میں بھی قوم میں ایک ناک رکھتا ہوں ساری عمر دوسروں کا کھایا اب ایسا وقت آیا تو جان چھپا کر بیٹھ جاؤں پھر کس کو یہ ناک دکھانے کے قابل رہے گی۔

ذرا سانس لینے دیا، لیلےٰ لوگوں کی عام حالت پر غور کرتے کرتے میرا دم گھٹنے لگا اس کم بخت ناک نے زندگی دشوار کر دی ورنہ خدا کی یہ زمین کیسی مزیدار تھی۔

سب کچھ تو میں نے کہا وہ اصل بات تو رہ گئی جس سے تم کو سابقہ پڑنے والا ہے یعنی اخبارات کیونکہ جب اخباروں

کو پڑھوگی تو ان کو آپس میں کشتیاں لڑتا پاؤگی، ایک
دوسرے پر آوارہ کتی کرتا دیکھوگی تو تمھاری سمجھ
میں نہ آئیگا کہ یہ لوگ خلقت کی اصلاح کرنے کو اخبار
چھاپتے ہیں تو آپس میں کٹے کیوں مرتے ہیں۔ آج کا سبق
پڑھ کر تمھاری سمجھ میں یہ بھی آجائیگا کہ ناک خانم کا
یہاں بھی عملہ دخلہ ہے ایک نے اگر چار پیسہ کو اخبار
بیچا تو دوسرا دو پیسہ کی آواز لگائیگا۔ تیسرا ایک پیسہ
پکارے گا۔ کاغذ مہنگا، چھپائی مہنگی، کچھ پروا نہیں میری ناک
دوسرے سے بڑھ جائے اور میں بھی ناک والا کہلاؤں۔ اچھا
بھائی ٹھیرو میں تم سب کی ناکیں نہایت ادب کے ساتھ مگر
بہت زور کے ساتھ کاٹے ڈالتا ہوں۔

تم سے پوچھنا یہ ہے کہ ناک کا خیال عورتوں سے
کیونکر دور ہوسکتا ہے؟

آج ذرا ٹیڑھی کھیر ہے بہت غور کرکے جواب دینا
اور بتانا کہ شادی غمی کی رسموں میں جو ناک کی خاطر ہم
لوگ بیجا اسراف کرتے ہیں اس کا کچھ علاج بھی ہے؟ یا
یوں ہی اس کا مذاق اڑایا کروںگا، اور تم ہنسا کروگی۔
ضرورت تو ان کو سمجھانے اور سیدھے راستہ پر لانے کی
ہے ناک کا خیال جاتا رہیگا تو گویا ان کی فرضی ناک کٹ
جائیگی۔ بس اسکے کاٹنے کے لئے میں نے شروع میں تم کو
آراہی دی تھی

دوسری بات یہ بتاؤ کہ آخر آدمی کو کچھ بھی ناک کا خیال رکھنا چاہئے یا بالکل نہیں۔ اگر خیال رکھے تو کہاں تک رکھے؟

آج پانچ سبق ہوئے۔ پچھلے سبقوں کو بھول نہ جانا ایک دن میں تم سے ہر ایک بات کا امتحان لونگا۔ اب ختم کرتا ہوں میری ناک کو ٹھنڈی ہوا سے سردی لگنے لگی مگر بیچاری ڈر کے مارے کہہ نہ سکی

جواب:- خواجہ پیارے! آج کا سبق تو نہایت ہی پُر مذاق ہے۔ جواب کیا لکھوں ہنستے ہنستے پیٹ پھولا جاتا ہے خوب مزیدار لکھا ہے

بیشک اس ناک کم بخت کی بدولت ساری قومیں تباہ و برباد ہو رہی ہیں اور خاصکر مسلمانوں کی تو اور بھی حالت ہے۔ حالانکہ ہمارے مذہب نے تو صاف صاف اِن خرد ماغیوں کو جائز نہیں رکھا مگر ہم مسلمان دین کے رستہ پر نہیں چلتے ٭

سالہا سال سے ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ ہزاروں آدمی اس متعدی مرض میں یعنی ان واہیات رسموں میں روپیہ خرچ کر کے مصیبت میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی کوئی عبرت نہیں پکڑتا اور ناک کا خبط نہیں چھوڑتا ٭

اس کا تدارک بس یہی ہو سکتا ہے کہ ہم تم خود سیاہے

راستہ پر چلیں اور تمام قوموں کی اصلاح کے واسطے
اور خاصکر مسلمانوں کے لئے اپنے عمل کا نمونہ دکھائیں تو
شاید اس حالت میں کچھ فرق آجائے۔

مگر خواجہ صاحب جاہل تو خیر جاہل ہیں ان کا تو راہ
راست پر لانا بہت ہی مشکل لیکن تعلیم یافتوں کا بہت ہی مشکل
ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم خود پڑھے لکھے تعلیم یافتہ ہیں
سب باتوں کو جانتے ہیں سیدھے راستہ کو پہچانتے ہیں۔

جبکہ ان کے دل میں یہ تمکنت ہوگی تو پھر اصلاح
ہونی ذرا مشکل ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور تمھیں
ہمت دے اور تمھارے سب ارادوں کو پورا کردے
آمین۔

جن کاموں میں روپیہ صرف کرنے کی ضرورت ہے
اُس میں صرف کرنا چاہئے۔ کوئی ان فضول رسموں میں
روپیہ خرچ کرکے ناک تھوڑی بڑھی جاتی ہے
جو رسمیں کہ اب ہم نے سیکھی ہیں ان سب کو ترک
کردینا چاہئے۔

چھٹا سبق (بیوی)

پڑھو لیپلے بیوی جس کو انگریزی میں مسیز کہتے ہیں۔
عربی میں زوجہ اور ہندی میں استری نام ہے
کہوگی اس سبق میں کونسی بات ہے جس کو سمجھانے

کی ضرورت پڑی۔ یہ تو میں بھی جانتی تھی اور سب عورتیں جانتی ہیں۔

نہیں جو بات بیوی کے بارے میں مجھ کو کہنی ہے اس کی طرف تمہارا اور بہت سی عورتوں کا خیال نہیں جاتا اس کے علاوہ میں تم کو دنیا کی تصویر دکھا کر یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کی ہر ضروری اور بڑی بات سے واقف ہو جاؤ گو یہ بہت مشکل بات ہے کہ ساری دنیا کی حالت تم کو بتا سکوں اور تم سمجھ سکو۔ نہ مجھ میں یہ قدرت ہے نہ تم میں یہ طاقت ہے تاہم تھوڑی سی بانگی دیکھ لینے سے گیہوں کے بڑے ڈھیر کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ تھوڑا تھوڑا سا بھی سب نمونوں کو دیکھ لوگی تو پھر خود تم میں دوسری باتوں پر غور کرنے اور ان سے نتیجہ نکالنے کی مہارت ہو جائے گی

لو اب سنو میں ہر ملک کی بیوی کا حال سناتا ہوں۔

انگریز بیوی

سب سے پہلے اپنے بادشاہ انگریزوں کی کیفیت سنو کہ ان کی بیوی کیسی ہوتی ہے

انگریزی بیوی شادی سے پہلے ماں باپ کی موجودگی یا کبھی اکیلے میں مختلف آدمیوں سے بات چیت کرتی ہے ان کے علم چال چلن عادت خصلت بول چال رکھ رکھاؤ کو دیکھتی ہے پرکھتی ہے آزماتی ہے اور پھر اُن میں سے

ایک کو شادی کے لئے چن لیتی ہے۔ اس کی خبر ماں باپ سنتے ہیں تو دوست آشنا کنبے رشتہ والوں کو جمع کرکے بیٹی کو گرجا لیجاتے ہیں۔ ایسے ہی بیٹے والے اپنے قرابت داروں دوستوں کو لے کر دولہا کو گرجا میں لاتے ہیں، اور پادری صاحب دونوں کا نکاح پڑھا دیتے ہیں، نکاح ہوتے ہی دونوں میاں بیوی وہیں گرجا میں ماں باپ سے رخصت ہوکر کسی دوسرے شہر میں چلے جاتے ہیں اور وہاں مہینہ دو مہینہ بسر کرکے پھر اپنے گھر آجاتے ہیں، یعنی خاوند بیوی کو اپنے گھر لے آتا ہے شادی ہوتے ہی باہر چلے جانے کو ان کی زبان میں **ہنیمون** کہتے ہیں

انگریز بیوی اپنے خاوند سے بہت محبت رکھتی ہے۔ اس کے گھر کی آرائش، اس کے دوستوں اور مہمانوں کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتی، مہمان گھر میں آئے تو اس کی سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ گھر کی بیوی اپنے ہاتھ سے چاء بناکر اس کو دے،

خاوند کھانا کھا چکتا ہے تو انگریز بیوی اس کے چرٹ کو خود دیا سلائی گھس کر جلاتی ہے۔ وہ باہر جائے تو کھڑے ہوکر اس کے کوٹ میں پن لگاتی ہے اور مسکرا کر خدا حافظ کہتی ہے۔ اور دروازہ تک پہنچانے آتی ہے اور کھڑی رہتی ہے جب تک خاوند نظر سے اوجھل نہ ہو، خاوند

مُڑکر دیکھتا ہے تو یہ رومال ہلاکر یا ہاتھ ہلاکر یہ ظاہر کرتی ہے کہ میرا دل تم ہی میں پڑا ہوا ہے۔ خاوند بھی رومال اور ہاتھ کا اشارہ کرتا ہے اور ویسی ہی محبّت جواب میں بھیجتا ہے۔

انگریزی بیوی اپنے خاوند کی عیب پوش ہے وہ کسی غیر کے سامنے اس کی بُرائی نہیں کرتی، اور کوئی بُرائی کرے تو اس سے لڑتی ہے اور جواب دیتی ہے

وہ نوکروں سے کام لینا خوب جانتی ہے کیونکہ اس کو کام لینے کی بھی میکہ میں تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کو بناؤٹی ہنسنا اور مسکرانا بھی آتا ہے، کیونکہ یہ بھی اس کو ماں کے گھر میں سکھایا جاتا ہے

انگریزی بیوی فضول خرچ بہت ہوتی ہے مگر اس کا خاوند ملک کا بادشاہ ہے، روپیہ کی اس کے پاس کیا کمی کپڑوں میں کپڑا زیور میں زیور جو مانگے دیتا ہے۔

انگریزی بیوی ہلکا زیور پہنتی ہے، رنگ بھی اس کو ہلکا اور صوفیانہ پسند ہے۔

انگریز بیوی ایسے ملک کی رہنے والی ہے جہاں کی محبت ہمارے مُلک سے نرالی ہے اس واسطے وہ کھانے میں خاوند کی خواہ مخواہ راہ نہیں دیکھتی، اور وہ بیمار ہو جائے تو ساری ساری رات پلنگ کے پاس نہیں بیٹھی رہتی

انگریزی بیوی گنبد کی آواز ہے زندگی میں اور گھرداری
میں جیسا خاوند بولتا ہے ویسی ہی آواز بیوی میں سنتا
ہے یعنی جیسا شوہر بیوی سے تعلق رکھتا ہے ویسا ہی وہ
بھی رکھتی ہے۔

مسلمان بیوی

ہندوستان میں مسلمان بیوی اماں جان
کی لاڈلی ابا جان کی آنکھوں کا تارا
شادی ہونے کے بعد خواہ وہ بوڑھی ہو جائے ماں باپ
اور میکہ والوں کی زبان پر ننھی ہی رہتی ہے۔
اس کو شوہر پسند کرنے کا کیا شوہر کی بات چیت
گھر میں ہو تو اس کے سننے کی بھی اجازت نہیں ہے۔
مسلمان بیوی خالہ خمیرو آٹے کی گڑیا ہے جس کو ماں باپ
یا کنبہ رشتہ والے اپنی مرضی کے ایک شوہر کے سر
چپیک دیتے ہیں۔
مگر ماں باپ سب جگہ احمق نہیں ہوتے وہ بہت
سوچ سمجھ کر اور اونچ نیچ دیکھکر لڑکی کا دولھا انتخاب
کرتے ہیں۔ انگریزوں کے دستور سے اس قاعدہ میں یہ فوقیت
ہے کہ ان کی لڑکیاں اپنی ناتجربہ کاری اور کم سنی کی
ناقص العقلی کے سبب اکثر دھوکا کھا جاتی ہیں مگر مسلمانوں
کے ہاں ماں باپ کی پختہ عقلی اور تجربہ کاری کم دھوکہ کھاتی
ہے باقی تقدیر کی خبر خدا کو ہے۔
مسلمان بیوی کم از کم چھ مہینے دوسری کمان یا کپڑوں

کی ندھی گٹھڑی بنی رہتی ہے یعنی وہ مارے شرم کے سسرال میں نہ چلتی ہے نہ پھرتی ہے نہ بولتی ہے نہ گردن اٹھا کر کسی کو دیکھتی ہے، سارا دن گردن جھکائے گھونگٹ نکالے بیٹھی رہتی ہے۔

دل مل جائے تو مسلمان بیوی اپنے شوہر کی پروانہ ہے، وہ انگریزی بیوی کی طرح محبت ظاہر کرنا نہیں جانتی اس کا امتحان اکثر مصیبت کے وقت ہوتا ہے، خاوند بیمار ہو جائے تو مسلمان بیوی ساری رات پلنگ کے پاس بیٹھی رہتی ہے اور اپنا کھانا پینا حرام بنا لیتی ہے، خاوند پر کوئی کڑا وقت آپڑے تو زیور کپڑا جو اس کو بہت عزیز ہوتا ہے سب خاوند پر قربان کر دیتی ہے۔

مسلمان بیوی شوہر کی برائیوں پر نظر نہیں رکھتی، وہ ہمیشہ اس کی خوبیوں سے جی خوش کرتی ہے اور دوسروں میں عزت اس کی نیکیاں کہتی ہے۔

مسلمان بیوی اگر پرانی وضع کی ہے تو سونا چاندی ہاتھ گلے پاؤں میں جتنا ڈال سکے ڈال لینا چاہتی ہے زریں کپڑوں پر اس کی جان جاتی ہے

وہ معمولی دنوں میں بہت میلی کچیلی رہتی ہے اس کو ہمیشہ پھٹے حال دیکھا جاتا ہے، حالانکہ اس کے صندوق میں بے شمار کپڑے رکھے رہتے ہیں جن کو صرف شادی یا مہمانوں کی آمد کے وقت پہنتی ہے وہ گھر کی نادر جیب ہے، دررں ہے

دھوم ہے ، حلال ہوئی ہے ، یعنی کسی کام سے اس کو ذریع نہیں ۔ اپنے خاوند کی ہر خدمت کو بلا عذر تیار رہتی ہے

اگر وہ نئی روشنی کی ہے تو زیور کا بھاری پن اس کو ناگوار ہے ، صاف ستھری رہتی ہے اور جانتی ہے کہ اُجلا رہنا بھی خاوند کی خدمت ہے ، کیونکہ اس سے وہ خوش ہوتا ہے

مگر ایک عیب اس میں سخت پڑھا تا ہے کہ مثل حول اور امیر عورتوں کی ملاقاتوں کا اس کو خبط ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ اپنی اوقات سے زیادہ خرچ کرنا چاہتی ہے ۔

چونکہ اس کی تعلیم اور تربیت انگریزی بیوی جیسی نہیں ہوتی اسی واسطے وہ انگریزی قاعدے کی رلیس بہت بے ڈھنگے طریقے سے کرتی ہے اور اکثر وہ بدنام ہوجاتی ہے اور آخر میں خاوند اس سے نفرت کرنے لگتا ہے ۔

ہندو بیوی

مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں میں شادی کا رواج خراب ہے ، ان کے ہاں ایک نائی نسبت ٹھیراتا ہے ، اور بر کا انتخاب کرتا ہے ۔ اگرچہ فیصلہ ماں باپ کرتے ہیں لیکن وہ برہمن کے اس کہدینے سے کہ لڑکی لڑکے کا ستارہ ملتا ہے فوراً منظور کرلیتے ہیں ۔ ان کے ہاں بیوی کو دیا ہے

اور یہاں گڑیا سے یعنی بہت چھوٹی عمر میں شادی
کر دی جاتی ہے۔

ہندو بیوی بعض اوقات اپنے خاوند سے اتنی بڑی
ہوتی ہے کہ وہ اس کو اٹھا کر طاق میں بٹھا دے اور کہے
میں ذرا باہر جاتی ہوں تم سڑک پر نکل جاتے اور
کسی [illegible] کی [illegible] آ جاتے اس واسطے طاق
[illegible] اترنا مت میرے آنے تک بیٹھے رہنا
تو کچھ عجب نہ ہو۔

اور بعض اوقات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ خاوند
[illegible] میں لے کر باہر نکلے تو لوگ بیساختہ کہہ سکتے ہیں
[illegible] اٹھا لیے ہو؟ اور تمہاری اس بچی کا نام کیا ہے؟
اب ہندوؤں نے یہ طریقہ چھوڑنا شروع کر دیا ہے
[illegible] یہ [illegible] باتیں جاتی رہیں گی۔ ہندو بیوی
[illegible] بیاہ کسی بھی [illegible] اپنے شوہر کی محبت میں
[illegible] بیوی ہی کو فخر حاصل ہے کہ وہ خاوند کے
[illegible] تھی اس کے ساتھ جل مرتی تھی مگر اب سرکار
نے [illegible] رسم کو جس کا نام ستی ہوتا تھا قانونا روک دیا
[illegible] ستی کی ہندو بیوی پردہ کم کرتی ہے اور وہ
مسلمان بیوی سے [illegible] بھی کم ہوتی ہے

اے ماں ان سب ملکوں میں سے تم کس بیوی کو
زیادہ پسند کرتی ہو؟

یہ تو ٹھیک ہے کہ محنت بُری بلا ہوتی ہے، وہ ہندو بیوی کو سستی ہو جانے پر آمادہ کر دیتی تھی مگر یہ رواج بُرا ہے

اور جو میاں یہ ہیں - خاوند سے بے حد محبت رکھی فضول خرچی زیادہ نہ کری۔

یہ بات مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ تم کونسی بیوی کو پسند کرتی ہو، میں نے مسلمان بیوی کی بُرائیاں اور بھلائیاں تو بتا دیں مگر پسند تو مسلمان بیوی ہی کو کروں گی۔ والسلام۔

ساتواں سبق (میاں)

بیوی پردہ کرلو میاں آتے ہیں، کل بیوی کا بیان تھا۔ آج میاں کی داستان ہے اور کل پھر خدا رکھے بچہ کی کہانی ہوگی۔

اس بات پر غور کرتی جانا کہ میں نے ایک زندگانی کے دو ٹکڑے کو الگ الگ حصے کرکے اور کھول کھول کر بیان کیا ہے، اس سے یہ غرض ہے کہ تم اور سب عورتیں گھرداری اور باہر کی دنیا کو اچھی طرح سمجھ لو اور تمہارا عقل سمجھا الجھن نہ پڑے

کلکتہ کا ۔ عینک ھی ایسا رکھا ہے کہ تیرہ برس کی لڑکیاں بھی ... کی باتیں جانکر اس کو پڑھا کریں

بوڑھے نائی نے جواب دیا صاحب جب شادی کرتا ہوں اور دُلہن کے گھر میں جاتا ہوں تو عورتیں آواز دیتی ہیں

"پردہ کرلینا لڑکا آتا ہے"

مجھے لڑکے کا لفظ سُن کر ایسا مزا آتا ہے کہ میں صرف اِس لفظ سُننے کو مار ما۔ شادیاں کرتا ہوں کہ الٰہی تیری شان بڑھاپے میں لڑکپن کی آواز آتی ہے۔

جیسے تم نے بیوی کے سبق میں پڑھا ہے کہ انگریزی بیوی اور قماش کی ہوتی ہے اور دیسی بیوی اور طرح کی اسی طرح ولایتی میاں اور دیسی میاں میں بھی فرق ہے

ولایتی میاں اپنی بیوی کو کبھی نہیں مارتا، بد مزاج میاں تو ہر قوم میں ہوتے ہیں، ولایتی میاں بھی کبھی کبھی اپنے غصہ کا رنگ دکھاتے ہیں، مگر بہت ہی کم اور بہت آدمیت کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی پڑھی لکھی سمجھ دار ہوتی ہے، وہ میاں کو غصہ آنے کا موقع ہی نہیں آنے دیتی، ولایتی میاں بیوی کے بغیر آدھا ہے یعنی اس کے ہر کام میں بیوی برابر کی شریک ہے۔ کسی دعوت میں بُلایا جائے تو لوگ اس کی بیوی کو ضرور بلائیں گے۔ کیونکہ جانتے ہیں دونوں ایک جان و دو قالب ہیں۔ ولایتی میاں دو پیسے کا سگرٹ خریدے گا تو بیوی سے صلاح کرے گا، ولایتی میاں رات کو کہیں نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ رات کو مقررہ وقت سے پانچ

منٹ دیر کرکے بھی گھر میں آئے تو میم صاحبہ اس سے باز پرس کریں گی اور بچارے میاں کو ڈر ڈر کر حساب دینا ہوگا۔ ہاں کہیں رات کو رہنے کی ضرورت ہو یا سفر میں جانا ہو تو میاں بیوی سے اجازت لے لیگا

ولایتی میاں کی بیوی جب اس کا کچھ کام کرتی ہے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ یعنی بیوی دیا سلائی سے اس کا چرٹ جلاتی ہے تو میاں کہتا ہے "تھینکیو" اس کے معنی ہیں شکریہ، انگریزوں میں بات بات پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے، اگر ان کا نوکر بھی کوئی کام کرتا ہے تو اس کا بھی وہ شکریہ ادا کرتے ہیں اور یہ ایسی بات ہے جس سے ان کی شریف مزاجی معلوم ہوتی ہے

ولایتی میاں سے بیوی کو اکثر یہ شکایت زیادہ ہوتی ہے کہ وہ شراب بہت پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، اور گھوڑ دوڑ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ ہار جاتا ہے

ولایتی میاں ایک سے زیادہ بیویاں نہیں کرسکتا اگر بیوی کو معلوم ہو جائے کہ میاں نے چھپ کر کوئی شادی کرلی ہے تو وہ میاں کو قید کرا سکتی ہے، کیونکہ ولایت کے قانون میں دوسری شادی کا حکم نہیں ہے۔

ولایتی میاں بھی اپنی بیوی کی طرح اس کا محرم راز اور پردہ پوش ہوتا ہے

دیسی میاں

یا تو ایسے بیٹھے کہ بیوی کی پوجا کرنے تک کو موجود۔ امّاں کو اباکو بھائی بہن کو سارے کنبہ کو چھوڑ کر بیوی کے کوڑیا غلام بن جاتے ہیں

امّاں نے کہا بیٹا تیری بیوی تو گھر میں جھاڑو تک نہیں دیتی، میں بڑھاپے میں پان سیر آٹا بھی پکاؤں جھاڑو بھی دوں بچوں کے پوتڑے بھی دھوؤں، بچھونے بھی تہ کروں، تمھاری لاڈو ایسی آدھر دھری ہیں کہ پلنگ کے نیچے ان کا پاؤں تک نہیں اترتا

بیٹے صاحب بولے بس بی بس سن لیا۔ میری بیوی باورچن نہیں ہے، دھوبن نہیں ہے، ماماں نہیں ہے، جو یہ کام کرے، تم کیا خدمتگاری کے واسطے بیاہ کر لائیں تھیں، اگر تم سے کام نہیں ہو سکتا تو کوئی نوکر رکھ لو، دوسروں پر حکم چلانا آتا ہے۔ آخر تم کس مرض کی دوا ہو؟

لائق بیٹے کی بات سن کر ماں کیا کہے، خون کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو جاتی ہے۔

یہ دیسی میاں بیوی کو پنکھا جھلیں پاؤں دبائیں، آٹا گوندھ کر رکھ دیں۔ بیوی سے آگ نہ جلتی ہو تو پھونکنی لیکر گھنٹوں پھوں پھوں کر کے آنکھیں لال کر لیں پتیلیاں مانجھیں، مسالہ پیسیں، غرض کسی خدمت سے انکار نہیں،

لیکن باوجود اس کے بیوی ایسے میاؤں کی ہمیشہ

سگھڑ ہوتی ہے مگر کیا کرے کہ میاں کا مزاج تقدیر سے اس کے خلاف ہوتا ہے۔

یہ دو قسم کے میاں دیسی گھروں میں عموماً زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم نہ ہونے کے سبب وہ میاں بننا نہیں جانتے۔

مگر انہی دیسی حالوں میں ایسے میاں بھی ہوتے ہیں جو نہ زیادہ میٹھے ہوتے ہیں، نہ زیادہ کڑوے، اور درمیانی چال سے چلتے ہیں

بیوی سے کچھ غلطی ہو تو نرمی سے اشارے کنائے سے بتاتے ہیں، اگر بیوی نے نہ مانا اور پھر غلطی کی تو کئی دن منہ سے نہیں بولتے۔ یہی سزا بیوی کو کافی ہوتی ہے، اور وہ پھر میاں کے خلاف مزاج کوئی بات نہیں ہونے دیتی

نئی روشنی کے میاں کا باوا آدم نرالا ہے، وہ بائسکوپ کے تماشے میں، انگریزی اخبار میں اردو کے ناول میں کسی چھیل چھبیلی بیوی کا قصہ دیکھتے ہیں، اور گھر میں آکر اپنی دیسی بیوی میں انہی باتوں کو، اسی حالت پھرتی کو، اسی بناؤ سنگار کو تلاش کرتے ہیں اور جب ان کو وہ بات میسر نہیں آتی تو ٹھنڈا سانس بھرتے ہیں بیوی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس سے ان کو نفرت ہو جاتی ہے بیوی بیچاری حیران ہوتی ہے اور سوچتی ہے کہ خدا سے کیا قصور سرزد ہوا کہ ان کو کوئی بات ان کی نہیں آتی

یاد کہاں سے آئے۔ اس غریب کو کیا خبر کہ بائسکوپ میں ایک ولایتی بیوی یوں تھرک کر چلیں تھیں میاں کا دل اس پر آیا ہے، میں بھی تھرک کر چلوں اور وہ کیا جانے کہ اخبار و ناول میں میاں نے بیوی کے ایسے اوصاف پڑھے ہیں جو مجھ میں نہیں ہیں۔

میاں منہ سے کچھ کہتے نہیں، بس چپ چاپ آئے روٹی کھائی، اور چپ چاپ چلے گئے۔

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ میں گھر میں گھسوں تو بیوی پھدک کر کھڑی ہو جائے، مسکرائے، ہاتھ ملائے، اور ہلو ہلو ویلکم ڈیر (اس کے معنی ہیں آئیے حضور آئیے جناب آؤ پیارے) کہے

کھولیئے ان ولایتی، دیسی، کڑوے، میٹھے، نئی روشنی کے میاں میں کس میاں کی کونسی بات اچھی ہے، اور کونسی بری؟ بیوی کے حق میں تم نے مسلمان بیوی کو ہر حال میں پسند کیا، میں اس سے خوش ہوا، اس میں کچھ شک نہیں کہ خوبیاں اور اصلی خوبیاں ہم مسلمانوں کی خانہ داری میں ہیں کہیں نہیں، مگر آج کل کچھ خرابیاں ہوگئی ہیں، اور انہی کی اصلاح کے لئے میں نے صرف برائیاں لکھی ہیں، ورنہ انصاف کرو تو دیسی میاں بیوی میں اچھائیاں زیادہ ہیں

جواب خواجہ صاحب اتنیک میاں کو ہرایک بات میں بیوی سے مشورہ ضرور لینا چاہئے مگر اس قدر پابند نہ بننا چاہئے، اگر انگریزوں میں ایسا ہی دستور ہے جیسا کہ تم نے لکھا کہ اگر میاں کو باہر دیر ہو جائے تو بیوی اس سے باز پُرس کریں گی تو بڑی خرابی ہے، شوہر کو زندگی تلخ ہو جاتی ہوگی۔

دوسری بیوی کی بات جو لکھا ہے یہ دستور بھی بُرا ہے۔ کیونکہ دوسری شادی نہ کرنے سے بعض اوقات بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ میاں گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ گناہ بیوی کے سر ہوتا ہے۔ کیونکہ اسی نے شوہر کو اس راستہ پر لگایا۔ یعنی اگر وہ دوسری بیوی کر لینے دیتی تو خاوند گناہ میں ہرگز مُبتلا نہ ہوتا۔ انگریزی میاں بیوی کو مارتا نہیں۔ یہ بات بیشک اچھی ہے مگر اس کا ذاتی جوہر نہیں ہے، کیونکہ بیوی اس کو اس بات کا موقع ہی نہ دیتی ہوگی۔

ہندوستان میں جو عورتیں مار کھاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہالت کے سبب بیوقوف ہوتی ہیں بیوی بننے کے لائق ان میں عقل نہیں ہوتی اس وجہ سے وہ مار کھاتی ہیں ورنہ اگر تھوڑی سی عقل ہو تو شوہر کو غصہ آنے کا بھی موقع نہ دے اور مار تو کجا

ہاں انگریزی میاں کا شکریہ ادا کرنا اصلی جوہر اور شرافت ہے

دیسی میاں کو بیوی کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ نہ تو اسے اتنا سر پر چڑھائے اور نہ اس قدر ہر وقت کڑوی زبان سے بولے، میٹھے میاں کو کبھی میاں بننا نہیں آتا اور نہ کڑوے کو۔

اور نئی روشنی کے میاں تو بالکل ہی گدھے ہوئے خدا نے اگر انھیں حیوانی جامہ دیا ہوتا تو اچھا تھا وہ انہی باتوں پر بیوی سے ناراض ہو جاتے ہیں، مگر خواجہ صاحب نئی روشنی کے میاں بھی وہی ایسے ہوتے ہوں گے جن کی تعلیم پوری نہ ہوتی ہوگی

نئی روشنی کے میاں جن کی تعلیم اچھی ہوتی ہوگی وہ بیوی کے ساتھ کبھی ایسا برتاؤ نہ کرتے ہوں گے۔ درمیانی میاں ٹھیک ہوتے ہیں، بیوی سے اگر کوئی خطا ہو تو اُسے سزا ضرور دینی چاہئے۔ مگر اُس وقت جبکہ وہ ایک دفعہ کے کہنے کو نہ سُنے ۔

میں عورت ہوں میں بھی اور تمام عورتیں کڑوے میاں سے تو نفرت کریں گی مگر مجھے میٹھے میاں بھی پسند نہیں

مرد کا اصلی جوہر بُردباری اور قائم مزاجی ہوتا ہے جب یہی باتیں نہ ہوئیں تو پھر رعب کیا خاک ہوگا، مرد میں یہی باتیں تو ہڈی بھی چاہئیں اور اگر یہ باتیں ہوئیں تو پھر خیال کرو کہ تمام جوہر اس میں یہ دہے ہوں گے دولت، صورت دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے

آٹھواں سبق (بچہ)

ہُوا ہُوا، ہُوا اِئی ائی، ہُوا، ائی اِئی ہُوا ہُوا، اِئی۔

دیکھا کس کا بچہ روتا ہے، بیچارے کی آواز بھی بیٹھی جاتی ہے کتنی دیر ہو گئی ہُوا ہُوا اِئی کی آوازیں چلی آتی ہیں، کیا اس کی میّا سوتی ہے یا کانوں سے بہری ہے جو بچہ کے بلکنے کی اسے خبر نہیں ہوتی یا قصائی ہے کہ ننھی سی جان کو پھڑکا رکھا ہے؟

ہم لوگوں میں بچہ کی ایسی گت بنتی ہے کہ خدا کی پناہ! گرمی ہو، برسات کی گھٹن اور گھمس ہو مگر زچہ اور بچہ مکان کے اندر ہی کوٹھڑی میں بند رکھے جاتے ہیں۔ کوٹھڑی کے آگے بھی پردہ ہوتا ہے۔ تاکہ کسی آنے جانے کی نظر نہ لگ جائے زچہ کے پاس ہر وقت آگ روشن رہتی ہے جہاں کوئی گھر میں آیا اور آگ پر کالے دانے پڑے، کیونکہ کالے دانے اوپری اثر اور آنے والوں کی بری نظر کو جلا دیتے ہیں

کوئی پوچھے کہ اچھے بھلے تندرست آدمیوں کا گرمی سے پتلا حال ہوا جاتا ہے باہر ہوا میں بیٹھ کر پنکھا ہاتھ سے نہیں چھٹتا تو بیچاری زچہ کا کیا حال ہوگا جو آگ کے کنارے کوٹھڑی میں قید ہے؟ جہاں ہوا کا ذرا گزر نہیں زچہ تو پھر بھی بڑی عمر کی ہے سہا لے گی اس نگوڑی

ننھی سی کونپل بچہ کا خیال کرکے جی لرز تا ہے کہ یہ پھول اس دوزخ میں کملایا جاتا ہوگا ۔

اسی لئے بے تحاشا رونے کی آواز آتی ہے۔ گرمی سے گھبراتا ہوگا ننھے ننھے ہاتھ پاؤں اماں کی گود میں مارتا ہوگا مگر بے بس ہے نہ زبان ہے جو کچھ کہے، نہ ہاتھ میں طاقت ہے جو اشارہ کرے خدا نے فقط رونے پر اختیار دیا ہے اسی کو سنا رہا ہے اور دُہائی دے رہا ہے لیکن اماں اور گھر والوں پر اثر تھوڑی ہی ہوگا۔ دیکھ لینا اس کے رونے سے یہ خیال کیا جائے گا کہ اوپری خلل ہوگیا ہے یا کسی کی نظر ہوگئی ہے پھر اور زیادہ آگ جلائی جائے گی اور کالے دانے آگ میں ڈالے جائیں گے

اب کون بتائے کہ ہوا اور سورج کی روشنی انسان کی تندرستی کے لئے لازمی چیزیں ہیں اس گرمی میں زچہ بچہ کو باہر نکالو۔ صبح و شام کی ٹھنڈی ہوا کھانے دو، نظر اور خلل کا وہم نہ کرو۔ مسلمانوں کے گھر میں جہاں خدا رسول کا کلمہ پڑھا جاتا ہے کوئی آسیب نہیں آ سکتا۔ ہر وقت خدا کے فرشتے حفاظت کرتے رہتے ہیں ۔

اسی لئے جی ! ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے بچوں کو انہی آفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ ڈاکٹروں نے انہی حال میں ایک کتاب

چھاپی ہے جس میں لکھا ہے کہ ساری دنیا سے زیادہ ہندوستان میں بچے بہت مرتے ہیں اور یہ بچے بھی سال بھر کی عمر میں اکثر مرکر تمام ہو جاتے ہیں

اس کی وجہ کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں محض جہالت کے وہم بچوں کی جانیں برباد کرتے ہیں۔

خیال تو کرو انگریزوں کے بچے کیسے گورے چٹے، جیسی کی مورت ہوتے ہیں مگر روز صبح شام نوکر کے ساتھ ہوا خوری کو ان کی مائیں اکیلا بھیجدیتی ہیں ان کو کبھی کوئی آسیب اور اوپری سایہ نہیں ہوتا۔

انگریزوں کے بچے روز بلا ناغہ سویرے نہاتے ہیں۔ صاف کپڑے پہنتے ہیں ہوا خوری کو جاتے ہیں۔ مقرّرہ وقت پر کھانا کھاتے یا دودھ پیتے ہیں یعنی ماں یا انّا دودھ بھی ان کو وقت مقرر کرکے دیتی ہے۔ یہ نہیں کہ جہاں بچہ رویا اور دودھ اس کے مُنہ میں دے دیا

انگریزی بچوں کا سونا بھی مقرّر ہے اگر مقرّرہ وقت سے بچّہ زیادہ سونا چاہے تو ماں باپ نہیں سونے دیتے اور کم سوئے تو خیال کرتے ہیں کہ بچّہ کچھ بیمار ہے اور فوراً علاج شروع کر دیتے ہیں، غرض بچہ کی خبرداری بڑے آدمیوں سے زیادہ کرنی پڑتی ہے۔

تم دیکھا کرتی ہو میرے پاس سینکڑوں عورتیں بچوں کے مسان کا تعویذ لینے آتی ہیں۔ اس مرض میں بچے کثرت

سے ضائع ہوتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا مرض ہے جس کا تعلق
سانس سے ہے خراب غذا اور ہوا کی بے احتیاطی اور ماں کی
بدپرہیزی سے یہ مرض ہوتا ہے مگر چاہیے کہ کوئی احتیاط
کرے نہیں کوئی احتیاط نہیں کرتا۔ تعویذ گنڈوں کے لئے
دوڑے دوڑے پھرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ میرا لڑکا اس حسن نظامی جب پیدا ہوا
تو میں نے خورنا ہو کی والدہ یعنی اپنی پہلی بیوی سے کہا کہ اس کو
مقررہ وقت پر دودھ پلایا کرو، ہر وقت نہیں

اس بات کا بڑا چرچا ہوا اور عورتوں میں غل مچ گیا
کہ میں بچہ کو پیاسا رکھنا دودھ پلوانا چاہتا ہوں آخر احتیاط
نہ ہوئی اور میری نصیحت کسی نے نہ مانی، اور غریب بچہ
اسی حال سے جاتا رہا۔

بچوں کو افیم کھلانے کی عادت ڈالنا بھی بُرا ہے اور ہر
وقت کچھ نہ کچھ کھلاتے رہنا تو از حد خطرناک ہے۔

کل میں نے اخبار میں دیکھا ایک عورت کے گیارہ بچے
مرچکے تھے بارھواں جو ہوا تھا تو اُس کے بڑے چاؤ چو چلے
تھے آخر۔ وہ بھی بیمار ہوا اور مرنے لگا تو اس کی ماں نے کہا
خبر نہیں کسی نے کیا کر دیا ہے کہ بچہ کوئی جیتا ہی نہیں، ایک
شخص نے پوچھا تم نے اسے کچھ کھلایا تو نہیں تھا تو عورت
نے جواب دیا میں نے تو آج تک جتنے بچے ہوئے کسی کا جی
میلا نہ کیا اُس نے جو مانگا دیا، مگر یوں کہو میری قسمت ہی ریخ

کل اس بچہ نے شکر قند مانگی میں نے اس کو بھون کر دیا
پھر بیسن کے سیؤ کے لئے ضد کی، وہ منگا کر دیے، پھر برف
والا آگیا، ملائی کی برف کھلائی، اتنے میں کچالو والے
نے آواز دی، کچالو بھی آلو کے ہیں میں نے اس کو دلوائے
اب تم ہی بتاؤ میں نے کونسی کسر اس کی خبرگیری میں کی
اور کب اس کا جی دکھایا؟

اب سمجھ لو کہ جس بچہ کی ماں ایسی جاہل ہوگی وہ
بچہ جئے گا یا مرے گا؟

نئی روشنی کے لوگوں کی یہ بات تو مجھے بہت پسند
ہے کہ وہ کسی کے طعنہ تشنہ کی پروا نہیں کرتے اور انگریزی
طریقہ سے زچہ خانہ کرتے ہیں، یعنی ایسی دائی کے ہاتھ
زچہ کو نہیں دلاتے، یہ کم بخت اناڑی دائیاں بھی
عورتوں اور بچوں کی جانیں کھو دیتی ہیں۔ میری پہلی بیوی
دائی کی خرابی سے مریں بچہ کو اس طرح جنایا، کہ پیٹ
کے اندر ماس لگ گیا۔ اور وہ پک گیا جس سے وہ بچاری
پانچ دن کے اندر تمام ہوگئیں۔ نئی روشنی والے انگریزی
دائی سے زچہ خانہ کراتے ہیں کیونکہ یہ دائیاں اس فن
کو مدرسوں میں سیکھتی ہیں، پہلے ہندوستان میں ان کاریگر
انگریزی دائیاں کم تھیں مگر اب سرکار نے جگہ جگہ ان کا
انتظام کیا ہے، مدرسے کھولے ہیں کوئی دن میں ہر جگہ
ان کی کثرت ہو جائیگی۔

نئی روشنی والے بچوں کو گوٹے کناری کے مہین مہین کپڑے نہیں پہناتے بلکہ موسم دیکھ کر ہوا اور گرمی سردی کے بچاؤ کے قابل کپڑے پہناتے ہیں اور کھانے کو بھی احتیاط سے ایسی چیزیں دیتے ہیں جو بچہ کو جلدی ہضم ہو جائیں۔

میں نے ترکوں اور عربوں کے بچوں کو ملک شام و مصر میں دیکھا کہ ان کو ریشمی گوٹہ کناری کے کپڑے کوئی نہیں پہناتا۔ بندوق کے نقلی کارتوسوں کی پیٹیاں ان کے گلے میں ڈالدیتے ہیں جس سے بچہ بہت خوش ہوتا ہے گویا لڑکپن سے اس کو سپاہی بنایا جاتا ہے۔

ہمارے ہاں ہر وقت ہوّے سے، بی بی شادی سے دال چپاتی سے بچوں کو ڈرایا جاتا ہے۔ بڑا ہو کر وہ کیا بہادری کرے گا ڈر اور خوف تو اوّل ہی سے اس کے دل میں بیٹھ جاتا ہے

بچوں کے سامنے جھوٹ بولنا بھی ہمارے ہاں عام دستور ہے کہتے ہیں دیکھ، چڑیا آئی، دیکھ وہ کھلونا رکھا ہے، بچہ دیکھتا ہے تو ان باتوں کو جھوٹ پاتا ہے، اس واسطے وہ اوّل سے جھوٹ سنتے سنتے بڑا ہو کر خود جھوٹ بولنے لگتا ہے

سب کچھ تو میں نے کہا مگر یہ نہ کہا کہ ہم لوگ بہت غریب ہیں، نئی روشنی والوں اور انگریزوں کی ریس نہیں

کر سکتے۔ ان کے پاس تو روپیہ ہے اس کے بل پر سب کچھ کر سکتے ہیں، ہم ویسا انتظام کیونکر کریں مگر اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی میں اگر عقل اور تمیز ہو تو وہ روپیہ کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے اور اپنے بچوں کو بے وقت کی موت سے بچا سکتا ہے خدا کے حکم کے موجب اب بتاؤ کہ آیا بچوں کو پرانے طریق پر پالنا چاہئے یا نئے دستور اور قاعدوں کے موافق؟

اور غریبی و مفلسی میں بھی نئے قاعدوں پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

تم مسلمان گھروں میں بھوت پریت اور اوپری سایہ کا اثر مانتی ہو یا نہیں؟ یعنی تم اس کی قائل ہو یا نہیں کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جائے، نماز پڑھی جائے، خدا رسول کا ذکر ہوتا رہے وہاں کوئی بلا کوئی آسیب کوئی اوپری چیز آ سکتی ہے یا نہیں؟

ایسا نہ ہو کہ میں ان چیزوں کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کروں تو مجھ کو یہ بلائیں رات کو آکر ستائیں اس واسطے میں تم سے پوچھتا ہوں، یاد رکھنا اگر تم نے اوپری پریوں اور بھوتوں کی مخالفت کی تو وہ تم کو چین سے نہ جینے دیں گے، ذرا سنبھل کر جواب لکھنا۔

سبق ختم کر چکا تھا کہ ایک تازہ روزنامہ اخبار میں یہ مزیدار خبر دیکھی اس واسطے سبق کے تتمّہ کے ساتھ

اس کو بھی گود میں اٹھا لو، حسرت بہت ہے۔

امّاں جان دودھ پیو!

مصر کے ملک میں عورتوں کو یہ مرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ہر وقت کچھ نہ کچھ کھلاتی پلاتی رہتی ہیں جس سے بچے اکثر بیمار رہتے ہیں، شہر قاہرہ یا سے تھے مصر کے شفاخانے میں بچے علاج کے لئے آئے جن کی مائیں ان کے ساتھ تھیں میم ڈاکٹرنی نے دیکھا کہ بچے زیادہ کھانے کے سبب بدہضمی سے بیمار ہیں۔

اس نے ایک طرف تو بچوں کا علاج شروع کیا۔ اور دوسری طرف ایک بڑی بالٹی میں بہت سا دودھ منگایا اور ان بچے والیوں سے کہا لو امّاں جان دودھ پیو۔

ان عورتوں نے سمجھا ہماری خاطر ہوئی ہے، شکریہ ادا کر کے انھوں نے ایک ایک گلاس پی لیا، مگر میم ڈاکٹرنی نے کہا یہ ساری بالٹی پینی پڑے گی، ورنہ پولیس کے حوالے کی جاؤ گی۔ اب تو یہ بیچاریاں بہت سٹپٹائیں، اور ناچار سارا دودھ پیا۔ وہ دودھ پیتے ہی پیٹ میں درد ہونے لگا اور یہ سب بیمار ہونے لگیں، اُس وقت میم ڈاکٹرنی نے ان کو بھی دوا دی اور کہا۔

یہ تمہاری سزا ہے کہ بچوں کو خواہ مخواہ ان کی بھوک سے زیادہ کھلایا کرتی ہو دیکھو تم نے پیٹ سے زیادہ دودھ پیا تو کیا حال ہو گیا، اب کبھی بچوں کو حد سے بڑھ کر کچھ

دکھلانا، عورتوں نے تھا کیا نہیں کھائیں اور بچوں کو
لے کر گھر چلیں

دیکھا! میم ڈاکٹرنی نے بچوں کا کیسا اچھا علاج
کیا؟ اب وہ بچے کبھی بیمار نہ ہوں گے

جواب خواجہ صاحب! بے شک بعض جگہ بچے پالنے
کا بہت بُرا طریقہ ہے نئی روشنی کی بعض باتیں تو خراب
ہیں، مگر بہت سی باتیں اچھی بھی ہیں

نہیں زیادہ دولت ہی سے بچہ اچھی طرح پرورش نہیں
ہو سکتا بلکہ غریبی میں بھی احتیاط ہو سکتی ہے۔

زچہ خانہ میں آب و ہوا کا خیال نہ رکھنا اور زچہ
بچہ کو گرمی میں گھونٹنا، کوئی غریبی کی بات نہیں ہے
بے وقوفی ہے ورنہ پیسہ کا خرچ تھوڑی ہے۔ ماں کا دودھ
تو بچہ کے واسطے مفت کا ہوتا ہے اس میں کیا لاگت ہے
بس اتنی ہی احتیاط چاہئے کہ ماں کوئی بیماری غذا نہ کھائے
اور بچہ کو دودھ وقت باندھ کر دے۔

بعض آدمیوں میں تو یہاں تک جاہلیت ہوتا ہے کہ
بچے کو صاف کپڑے نہیں پہناتے کہ نظر ہو جائے گی۔
ہر وقت میلا کچیلا رکھتے ہیں، اسی سبب سے وہ ہر وقت
سست اور مضمحل رہتا ہے۔

میں اوپری سایہ کو بھی نہیں مانتی، مسلمان پر بھوت
پریت کا ہرگز سایہ نہیں ہو سکتا۔

نہیں میں ڈرتی نہیں بھوت پریت سے، میں مسلمان ہوں محمدؐ کا کلمہ پڑھتی ہوں، پھر جن یا پری کی کیا ہستی ہے جو مجھے جین سے نہ جینے دیں گے

میں تو بھوت آسیب کے خلاف باتیں کرتی ہوں اور ان کی شان میں گستاخی کرتی ہوں مگر مجھ پر تو آج تک کسی چیز کا سایہ نہیں ہوتا، میں اس حسرت ہی میں ہوں، مگر وہ بیچارے مجھ سے خود ڈرگئے ہیں؛

بات یہ ہے کہ جو لوگ ایسی باتوں کو مانتے ہیں اُنہی کے پاس وہ آتے بھی ہیں،

نواں سبق (شادی)

کِڑکڑ کِڑکڑ گھن، کِڑکڑ کِڑکڑ گھن گھن، کِڑکڑ کِڑکڑ گھن، کِڑکڑ گھن، کِڑکڑ گھن، کِڑکڑ گھن،

یہ ڈھول تاشہ کی آواز کہاں سے آتی ہے؟ شاید کہیں شادی ہے، تو لاؤ میں بھی آج لیلےٰ کو شادی کا سبق پڑھاؤں

دیکھو لیلےٰ اکوئی ایسی بات نہ کہنا جس سے شادی کے گھر میں کھنڈک پڑجائے۔ خدا نے کیا بارہ اور بارہ چوبیس برس بعد تو سہرے کے پھول کھلے ہیں،

یہ شادی بی نصیبن کی لڑکی عصمن کی ہے، نصیبن کی اماں کریمن تھیں، ان کی اماں کا نام سعیدن تھا اور

وہ مجیدن کی لڑکی تھیں، جن کی اماں حمیدن میری منہ بولی بہن ہوتی تھیں، خدا رکھے ایک ہی بیٹی ہے، ان کے میاں کو خدانے سب کچھ دیا ہے۔ جب ہی تو انگریزی باجہ بھی ہے، نفیری بھی ہے، ڈھول تاشے بھی ہیں، دروازہ پر نوبت بھی رکھوائی ہے، گھر میں ڈومنیوں کو بلایا ہے، باہر بھانڈ ہیں، رنڈیاں ہیں ‹

دولہا والے بھی کھاتے پیتے ہیں، ساچق بہت دھوم سے آئی تھی، پانچ من بری، چڑھاوے میں جڑاؤ گہنا جو تھی کا جوڑا پانسو روپئے کی لاگت کا ہے، اور اٹھارہ جوڑے اوپر الگ ہیں

بی نصیبن نے چودہ برس تک جہیز جوڑا ہے، دیکھا چاندی کا چھپرکھٹ، چاندی کا پلنگ، چاندی کے برتن اور خبر نہیں کیا کیا سامان دیتی ہیں، کیوں نہ ہو، ایک بیٹی ہے جتنا دیں تھوڑا ہے ‹

ہندؤں میں دستور ہے کہ وہ ساری عمر میلے کچیلے رہتے ہیں، ایک مرچ سے نوالہ لگا لگا کر کمبہ روٹی کھا لیتا ہے، پیسہ کی گھی میں سارے گھر کے بیٹے پراٹھے پک جاتے ہیں اور اس طرح پیسہ پیسہ جوڑ کر لاکھوں روپئے جمع کیے جاتے ہیں، گھر میں کوئی بیمار ہو تو دوا اور حکیم ڈاکٹر میں ایک کوڑی خرچ نہیں کرتے کھگواں کے نام پر بیٹھے رہتے ہیں، ہاں جب شادی ہوتی ہے تو جی کھول کر

خرچ کرتے ہیں۔ دعوت میں ایک آدمی کے سامنے اتنی
مٹھائی اور کچوریاں ہوتی ہیں جتنی لالہ جی پورے آٹھ
دن میں بال بچوں کو کھلاتے۔ غرض کہتے ہیں کہ بنیہ کی
کمائی مکان اور شادی نے کھائی۔

ہنوؤں میں شادی کا بڑا خرچ ہے، بیٹی والا بیٹے والوں
سے کہتا ہے کہ بھائی پچاس آدمی سے زیادہ نہ لانا۔
مجھ میں پچاس کی خاطرداری سے بڑھ کر گنجائش نہیں ہے مگر
بیٹے والا اس کی ضد میں ضرور سو آدمی ساتھ لاتا ہے تاکہ
بیٹی والے کی کرکری اور بدنامی ہو۔

مگر بیٹی والا تو پہلے سے جانتا ہے اس واسطے وہ کہتا
پچاس کو ہے مگر سامان سو کا کرتا ہے اور جب برات کے سو
آدمیوں کے کھانے ٹھہرنے کا اچھی طرح پورا ڈال دیتا
ہے تو پھر یہ لوگوں سے کہتا ہے کہ رام جی نے بڑی شرم
رکھ لی، میں نے تو پچاس آدمی بلائے تھے، وہ سو لے آئے
مگر گھر میں مالک کا دیا اتنا موجود تھا کہ پانسو آجاتے تو
ان کی بھی پوری پڑ جاتی، لیکن بیٹے والوں کو یہ چاہئے تھا
خیر جاتے کہاں ہیں، میں ابھی آج ہی بدلہ لے لونگا۔

جب پھیروں (نکاح) کا وقت ہوتا ہے۔ تو بیٹی والا اکڑ کر
بیٹھ جاتا ہے کہ پہلے تین ہزار روپئے نقد یہاں رکھ دو
جب پھیرے ہونے دونگا۔

بیٹے والے کہتے ہیں، اقرار تو ایک ہزار کا تھا، تم

تین ہزار کیسے مانگتے ہو، کیا لڑکی کو فروخت کرتے ہو۔
اس پر بیٹی والا بگڑ کر کہتا ہے دیکھو لالہ جی زبان سنبھال کر بولو، بیچنے کا لفظ (لفظ) ۔ ماں پر نہ آئے، میری خوشی ہے ہزار لوں یا دس ہزار مانگ لوں، جس کو غرض ہو دے بیٹی لے جائے یا اپنے گھر کو سدھارے بلایا کس نے تھا۔
بیٹے والے بھی ہوشیار ہوتے ہیں، وہ پہلے ہی جانتے ہیں کہ شادیوں میں ایسے جھگڑے ہمیشہ پیش آیا کرتے ہیں اس واسطے وہ ایک ہزار کی جگہ پانچ ہزار ساتھ لاتے ہیں
جونہی بیٹی والے نے بگڑ کر یہ بات کہی، بیٹے والوں نے پانچ ہزار کی اشرفیاں سامنے ڈال دیں اور کہا۔ تم تو تین ہزار کہتے ہو ہم پانچ ہزار دیتے ہیں۔ لالہ صاحب یہ نہ سمجھنا کہ بھوکوں سے پالا پڑا ہے تم کو تو ہم دس دفعہ خرید کر چھوڑ دینگے۔ یہ سنتے ہی آپس میں تو تو میں میں ہونے لگی ہے اور بڑی مشکل سے کچھ لوگ فیصلہ کرا کے شادی کو انجام تک پہنچاتے ہیں، مگر دلوں میں غبار دونوں طرف بیٹھ جاتا ہے۔
نام شادی کا ہے مگر محض اسی بے عقلی کے سبب شادیوں سے رنج مول لیتے ہیں اور پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ کو نسلوں تک قائم رہتا ہے،
مسلمانوں کی شادیوں میں آجکل دہلی کے علاقہ میں یہ رسم ہو گئی ہے، کہ لڑکی والے لڑکے والوں سے روپے

کپڑے کا کاغذ لکھاتے ہیں جس میں یہ شرطیں ہوتی ہیں:
ٹیاری کے خرچ کے پانچ روپئے ماہوار برابر دوں گا۔
بیوی خفا ہوکر میکہ چلی جائیگی تو دس روپئے مہینہ گھر بیٹھے پہنچاؤں گا، بیوی کو اس کے میکے والوں سے ملنے جُلنے میں مانع نہ ہوں گا۔ بیوی جو کپڑا پسند کرے گی لاکر دوں گا، بیوی کے میکہ والوں کا ادب و لحاظ رکھونگا۔

اور جو نہیں کیا کیا واہیات شرطیں ہوتی ہیں جو اسٹامپ کے کاغذ پر لکھی جاتی ہیں۔ مہرنامہ اس کے علاوہ ہوتا ہے، جس میں اگر دولہا کی حیثیت پانچ روپئے نقد دینے کی بھی نہ ہو تب بھی پانچ ہزار روپئے مہر لکھوایا جاتا ہے

بعض جگہ کئی کئی اقرار نامے ہوتے ہیں ایک میں شرطیں ہوتی ہیں، ایک میں یہ ہوتا ہے:

میں نے ساری جائداد بیوی کے نام لکھی، میری جس قدر آمدنی ہے وہ سب بیوی کی ہی ملکیت ہوگی۔

جب شادی ہو چکتی ہے تو یہ کاغذ رکھے رہتے ہیں اور خاوند ایک شرط کی بھی تعمیل نہیں کرتا اور آج تک ایک واقعہ ایسا نہیں سُنا کہ کسی بیٹی والے نے ان شرطوں کی بنا پر کوئی مقدمہ جیتا ہو۔

کیونکہ یہ سب اقرار نامے انگریزی قانون اور شریعت اسلام کے بالکل خلاف ہوتے ہیں، شریعت نے جو حق

عورت کا مقرر کر دیا ہے وہ بغیر اقرار نامہ کے بھی مرد پر لازم ہے اگر وہ نہ دے تو عورت جب چاہے نالش کرکے لے سکتی ہے

مثلاً روٹی کپڑا وغیرہ بیوی کا خاوند کے اوپر فرض ہے، بیوی کسی جھگڑے کے سبب ماں باپ کے ہاں یا کسی اور جگہ جا بیٹھے تو بغیر اقرار نامہ کے وہ خاوند سے روٹی کپڑے کا خرچ لے سکتی ہے۔ مگر کہے کون، ہر شادی میں اس لکھا پڑھی کے سبب جھگڑا پڑتا ہے بیٹی والے الگ اکڑتے ہیں بیٹے والے جدا بگڑتے ہیں بعض اوقات مارکٹائی ہو جاتی ہے، سر پھوٹ جاتے ہیں تب شادی ہوتی ہے۔

تم کو اپنے ایک مرید کا قصہ سناؤں جو احمد آباد گجرات میں رہتے ہیں، بڑے خاندانی اور شریف آدمی ہیں، ان کے بیٹے کی شادی سگے بھائی کی لڑکی سے ٹھیری نکاح کے وقت میں بھی دہلی سے گیا مگر عین وقت کے وقت بیٹی والوں نے لکھوانے کی شرطوں کا جھگڑا نکالا اور آدھی رات تک حجت ہوتی رہی دونوں بھائی میرے مرید تھے مگر بیٹے کے باپ نے کہا میرے پیر کو تکلیف ہوتی ہے بارہ بج چکے ہیں ان کے سونے کا وقت ہے اس واسطے جو شرط تم کہوگے مان لونگا، مگر انجام اچھا نہ ہوگا چنانچہ بیٹی والوں نے جو کہا وہی لکھ دیا گیا۔ اور شادی

ختم ہوئی۔

اب تین سال کے بعد میں نے سُنا کہ خدا نے دولہا کو بیٹا دیا مگر دادا نے آج تک نہ بہو کی صورت دیکھی ہے نہ پوتے کو سامنے آنے دیا۔ شادی کے دن کا بگاڑ اب تک چلا جاتا ہے

یہ سن کر میں نے دونوں بھائیوں کو لکھا، سمجھایا اور گلے ملوا کر جھگڑا مٹایا۔

تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ ہمارے ہاں شادیاں کیا ہوتی ہیں لڑائیوں کے بیج بوئے جاتے ہیں، ایک نہیں ہر جگہ یہی ہوتا ہے اور یہ سارا قصور تم عورتوں کا ہے۔ تم نے مسلمانوں کو تباہ کیا ہے تم نے ان میں فساد ڈلوائے ہیں، تم ہی شادی کے موقع پر ذرا ذرا سی بات میں جھگڑے کھڑے کرتی ہو کبھی ان کا عدوں کا جھگڑا ہوتا ہے، کبھی کھانے کا شکوہ ہوتا ہے کہ گھی کم تھا۔ گوشت خراب تھا، نمک زیادہ تھا، جوڑے تو اچھے دیئے، مگر ٹھپّہ پُرانا لگا ہوا تھا، کسی سے مانگے کو لے لیا ہوگا، زیور تو بہت دیا مگر چمپاکلی کا ڈورا میلا تھا اس کو نیا ڈورا ڈلوانا بھی نصیب نہ ہوا۔

ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بات شروع ہوتی ہے سامنے والے اس کا جواب حاشیہ لگا کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہمارے ہاں کھانے میں گھی کم تھا تو تم نے تو بیٹی

کے ساتھ گھی کے مارے بھیجدیے تھے۔

ہمارے ہاں کے جوڑوں میں ٹھپہ پرانا تھا۔ تم نے اپنی منیا کو نئے ٹھپے دیے ہوئے ہیں جوڑے کو دیکھ ہوئے یہ نہ گوٹ نئی ہے نہ ٹھپہ اُجلی ہے۔ نہ گوکھرو ڈھنگ کا ہے۔

ہمارے گھر کے ڈورے کو کہا اپنی بیبیوں کو دیکھا کہ لاکھ تک نکلی ہوئی ہے۔ خبر نہیں سونے کی ہیں یا سونے کے ورقوں کی ہیں جو لاکھ نکلی پڑتی ہے

پھر یہاں سے اس کا جواب جاتا ہے۔ اور خوب شاندار لڑائی ٹھن جاتی ہے اور بیچارے دلہن دولہا کی مشکل آتی ہے۔ مدتوں ان کے آپس میں عداوت اور بیر پڑا رہتا ہے۔

میں نے اپنی زندگی میں ایسی بہت تھوڑی شادیاں دیکھی ہیں جن میں جھگڑا نہ ہوا ہو۔

شادی والے کو ہزار طرح کی آفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ادھر تو روپئے کی فکر، کہ مسلمان کے پاس نقد روپیہ عنقا ہوتا ہے پھر سامان خریدنے کا عذاب کہ عورتوں کو کوئی چیز پسند ہی نہیں آتی۔ اس کے بعد سینے پرونے کا جنجال اور جب شادی شروع ہوئی تو برادری والوں کا منانا کیونکہ اکثر لوگ ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جاتے ہیں اور شادی والوں کا فرض ہے کہ ان

کے آگے ہاتھ جوڑیں پیروں میں سر رکھیں اور شادی میں
لاکر شریک کریں ورنہ اس کی شادی کرکری ہو جائے گی۔
جب ایسے لوگ آتے ہیں جن کو منایا جاتا ہے تو جان بوجھکر
پانوں کی لوٹ اور کھانے کی بربادی کرتے ہیں تاکہ کسی
طرح اس کی بدنامی ہو، مگر بیچارا شادی والا کچھ نہیں کہہ
سکتا کہ اس کو ان کے دوبارہ بگڑ جانے کا ڈر ہوتا ہے
شادی ایک دن کی نہیں ہوتی، سات آٹھ دن تک اسکی
رسمیں ہوتی رہتی ہیں۔ آج مانیوں بیٹھی ہیں، کل مہندی ہے،
پرسوں چڑھاوا ہے، اترسوں رت جگا ہے، بیوی کا ہے۔
یہ ہے وہ ہے، شادی والی بیچاری کو نہ کھانے کا ہوش
رہتا ہے نہ سونے کا

اور مزا یہ ہے کہ عورتیں اسی تکلیف اور اسی آٹھ
دن کی مصیبت کے ارمان کرتی ہیں، ٹھنڈے سانس
بھرتی ہیں کہ الٰہی وہ دن کب ہوگا کہ مجھ پر شادی کی آفت
آئے گی میں تم کو بتائے دیتا ہوں کہ اپنی بیٹی
حور بانو کی وداع اس طرح کرونگا۔

تم کو معلوم ہے کہ میں نے اس کا نکاح بغیر کسی رسم
کے ایک گھنٹہ کے اندر کر دیا۔ نہ کاغذ لکھوایا نہ کوئی شرط
کی اور نہ کسی قسم کی دھوم دھام سے غرض رکھی، اور
اب جب وداع کروں گا تو ایک دن مقرر کرکے
دولہا کو مع اُن کے کنبہ والوں کے بلا کر لڑکی اُس کے

ساتھ بھیج دوں گا ۔

جہیز میں ایک چرخا ایک چکی ایک قلمداں دوں گا ۔ اور کچھ نہیں ۔ چرخا اس کی علامت ہے کہ سوت کاتو ۔ اور کپڑا پہنو ۔ چکی اس لیئے کہ خود پیسو اور کھاؤ قلمداں یوں کہ علم سے غافل نہ رہو +

یہ جہیز دے کر جو کچھ مجھ سے ہوسکے گا نقد حور بانو کے حوالے کروں گا کہ لو چاہے کپڑے بناؤ ، زیور پہنو ، چاہے خاوند کو دیکر کوئی کاروبار پھیلا لو ۔ اور یہ نقدی بھی لوگوں کو دکھاکر نہیں دوں گا ورنہ وہی ناک والا حساب ہوجائے گا کہ جہیز موقوف ہوا تو کیا ، نقدی دینے میں نمود کا دستور نکل آیا ،

بیٹی کو رخصت کرکے دوسرے دن اپنے دوستوں اور کنبہ والوں کو ایک وقت سادہ کھانا کھلا دوں گا ، جس میں صرف اتنا تکلف ہوگا کہ گھر میں روز ترکاری کا سالن پکتا ہے ، میں قورمہ پکوا دوں گا باقی اور طرح طرح کے کھانے پکوانے ، اور نام نمود کے لیئے تباہ ہونے کی کچھ ضرورت نہیں ، [1]

تم کہو گی آج کا سبق ہے یا وصیت نامہ ؟ میں کہوں گا درحقیقت یہ سبق وصیت ہے ، تم کو اور سب مسلمانوں کو کہ وہ اپنی شادی کو حقیقی شادی اور خوشی بنائیں

[1] حور بانو کی وداع قریب قریب اسی طرح ہوئی جیسا اس جگہ میں لکھا ہے افسوس ہے کہ زمانے نے اس اصلاح کو بہت بدنام کیا ۔ حسن نظامی

رسولِ خدا ؐ کی پیروی کریں جنہوں نے اپنی بیٹی حضرت بی بی فاطمہؓ کی شادی میں کچھ دھوم دھام نہیں کی تھی، حالانکہ وہ چاہتے تو خدا ساری دُنیا کی دولت کرّوفر کے لیئے اُن کو دے دیتا۔ اور ماں اور باپ کو یہ سبق دکھا کر کہہ دیتا، کہ میں وہ باپ نہیں ہوں کہ تم سُسرال میں جاکر ساور کے گھر کی کوئی تکلیف مجھ سے کہوگی، اور میں دوڑا ہوا تمہارے دولہا سے لڑنے جاؤں گا۔ بلکہ میں ایسا باپ ہوں، کہ تم کو نصیحت کروں گا، کہ تم اصل ملکیت میری نہیں اپنے شوہر کی ہو، وہ جس حال میں رکھے، صبر اور خوشی سے رہو اور سسرال کی کوئی بات مجھ سے یا کسی سے نہ کہو، ہم لوگ تمہارا بالکل ساتھ نہ دینگے اگر کوئی تکلیف تم کو ہوگی تو تم کو خود اپنی عقل اور کوشش سے اُس کو دور کرنا پڑے گا ؛

لیلے ا شادی کے بعد ہم مسلمانوں میں بیٹا بیٹی کے ماں باپ جھوٹی محبت کے ولولے دکھلاکر اولاد کا گھر برباد کردیتے ہیں، بیٹی ماں باپ کو اپنی پُشتی لیتا اور حمایت کرتا دیکھتی ہے، تو وہ سُسرال والوں کو خاطر میں نہیں لاتی، اور پھر ایسے جھگڑے بڑھاتے ہیں کہ یہ لڑکی سر پر ہاتھ رکھکر روتی ہے۔ ماں باپ، یا میکہ والے اُس کی کچھ مدد نہیں کرسکتے ؛

اس واسطے ضرورت ہے کہ جب شادی کی جائے تو

یہ سوچ لینا چاہیئے کہ شادی کے معنی خوشی کے ہیں ہم کو
کوئی بات رنج کی نہ کرنی چاہیئے ۔

بیٹی والے بیٹے والوں کی خوشی کا خیال رکھیں، اور بیٹے
والے بیٹی والوں کا لحاظ رکھیں، خصوصاً بیٹی والوں کو تو
از حد لڑکے والوں کی رعایت کرنی چاہیئے ۔

اب سنو انگریزی شادی کا حال۔ یہ تو تم نے انگریزی
میاں بیوی کے ذکر میں پڑھا ہے کہ اُن کی شادی
کیونکر ہوتی ہے؟ ۔ آج میں تم کو مختصر طور سے
رسموں کا حال سناتا ہوں، سبق بہت بڑھ گیا۔ مگر کیا
کروں، یہ سبق بہت ضروری تھا ۔

انگریز نسبت اور شادی کا وقت مقرر ہونے کے
بعد اپنے دوستوں کو رقعے ڈاک میں بھیج دیتے ہیں،
اور وہ سب لوگ شادی کے وقت آجاتے ہیں، اس
وقت اُن لوگوں کو کھانا دانہ کچھ نہیں ملتا۔ شادی ہوچکی میاں
بیوی پردیس سدھارے۔ کیونکہ تم نے اوپر پڑھا ہے کہ
یہ لوگ شادی کے بعد گھر پر نہیں آتے، کہیں باہر چلے
جاتے ہیں ۔

اس کے بعد ماں باپ دُلھن دولھا کے اپنے اپنے
دوستوں کو اگر جی چاہا تو کسی ہوٹل میں لے جاکر ایک
وقت کھانا کھلا دیتے ہیں، گھر میں اُن کے کھانے
کا بہت کم بندوبست ہوتا ہے اکثر لوگ دعوتیں ہوٹل

میں کیا کرتے ہیں، شادی کے وقت دُلھن کا باپ کہتا
ہے اتنا روپیہ میری بیٹی کے نام فلاں بنک میں جمع ہے
اور یہ اُس کی چیک بُک دیتا ہوں، ایسا ہی بیٹے والا اگر
چاہے تو کہتا ہے کہ میرے بیٹے کے نام بھی فلاں بنک
میں اتنا روپیہ ہے اور وہ میں نے اس کو دیا۔

مگر روپیہ دینے کی لازمی ضرورت نہیں ہے، اکثر
ان کے ہاں یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے وقت اولاد کو دیتے
ہیں، شادی کے وقت ایک پیسہ نہیں دیتے،

شادی کے بعد لڑکے کا باپ لڑکے کو اپنے پاس نہیں رکھتا
الگ کر دیتا ہے۔ کہ اب خود کماؤ کھاؤ، مجھ پر
تمہارا کچھ بوجھ نہیں، اور ہمارے ہاں تم جانتی ہو کہ ماں
باپ لڑکے کے الگ ہونے سے کس قدر بگڑتے ہیں
اور بیچاری بیوی پر کیسی بوچھاڑ پڑتی ہے، اس کے علاوہ
خود بیویاں جہاں دولھا کے ہاں آئیں تو پہلی فرمایش
ان کی یہ ہوتی ہے کہ الگ گھر لیکر رہو، اور اس سے
بڑے بڑے جھگڑے پڑتے ہیں۔ اس لمبی داستان کو
سُنکر بتاؤ کہ دلّی شادی میں کیونکر اصلاح ہو؟ تاکہ وہ
اصلی شادی اور خوشی بن جائے +

میں انگریزوں کی ریس کرنے کی صلاح نہیں دیتا
ان کے رواج اُن کو مبارک، ہم کو اپنے رواج پر چلنا
چاہیئے، مگر ضرورت یہ ہے کہ خرابیوں کو دور کرکے ایسا

طریقہ اختیار کیا جائے کہ دل کے حوصلے بھی نکل جائیں اور رنج و اسراف بھی نہ ہو؟

جواب خواجہ صاحب! یہ تو ٹھیک ہے کہ عورتیں شادی کی واہیات رسومات میں بے حد بڑھی ہوئی ہیں، اور اپنا نیک و بد بالکل نہیں سوچتیں مگر مردوں کو بھی ان کی رائے پر نہ چلنا چاہیئے۔

جب عورت کی ایسی کچی اور ناقص عقل تھی جب ہی تو مرد سے اُس کا درجہ بہت کم رکھا گیا ہے۔ پھر مرد کو کیا ضرور جو وہ پکی عقل چھوڑ کر ایک کچی سمجھ پر کام کرے، لیکن اصل میں مردوں ہی کی عقلیں خبط ہو گئی ہیں +

خواجہ جی! یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ میں عورتوں کی ناجائز حمایت کر رہی ہوں، نہیں میں غلط حمایت نہیں کرتی۔

عورتوں میں تو ان باتوں نے اس قدر جڑ پکڑی ہے کہ کسی اعلیٰ تعلیم والی اور نہایت سمجھ دار عورت کو بھی خیال کرو گے تو اُس کے دل میں بھی ان باتوں کا خبط پاؤ گے پھر جب اس قدر رواج ہے تو اصلاح ہونی ذرا مشکل ہے۔ ایک آدمی کوشش کرے تو کیا ہو سکتا ہے؛ ہاں اگر سب مرد آمادہ ہو جائیں تو اصلاح ہونی بہت آسان ہے۔

اوّل تو میرے خیال میں جب عورتیں ایسی پائی جائینگی

جو واہیات رسموں سے نفرت کریں، ورنہ سب ہی اس نشہ میں چور ہیں۔ عورتوں کا تو اس نشہ سے ہوشیار ہونا مشکل ہے مردوں کو اس کا تدارک کرنا چاہیئے، اگر مرد آمادہ ہو جائیں اور ذرا عقل سے کام لیں اپنا نفع نقصان سمجھیں تو بہت جلد اصلاح ہو جائے۔

اگر کسی بیچارے کی کمبختی آتی ہے اور وہ ان فضول رسموں کے بغیر شادی کرتا ہے تو عورتیں تو عورتیں مرد اس کی زندگی تلخ کردیتے ہیں، کوئی ایسے مردوں اور عورتوں سے پوچھے کہ تمہیں پرائی شادی میں دخل دینے سے کیا مل جاتا ہے؟ نہ تو آپ اصلی راستے پر چلو اور نہ کسی دوسرے کو چلنے دو +

مگر جو شخص فضول رسموں کو ترک کرنا چاہے، اس کو خوب مضبوط ہوجانا چاہیئے، چاہے لوگ کتنی ہی باتیں بنائیں مگر وہ مغموم نہ ہو، بلکہ سب باتوں کے واسطے پہلے سے تیار رہے۔ ناسمجھ لوگوں کو نرمی اور شائستگی سے جواب دے کہ وہ بھی سمجھ جائیں، سختی اور لڑائی جھگڑے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

دسواں سبق (غمی)

کسی مرنے والے کا دسواں نہیں۔ جناب لیلے خواجہ بانو صاحبہ، آپ کا سبق دسواں ہے۔ جو غمی کے بیان میں ہے جب دین اسلام ظاہر نہ ہوا تھا تو عرب قوموں میں

کسی کے مرنے پر بڑی ہائے ویلا مچتی تھی، عورتیں سر پیٹتی تھیں، بال نوچتی کھسوٹتی تھیں، اور بیان کر کر کے روتی تھیں، ہائے میرا تلوار چلانے والا۔ ہائے میرا لاڈلا جو اونٹ پر سوار ہوتا تھا، اور جو شیر سے زیادہ بہادر تھا +

پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے اور اُنہوں نے خدا کا دین ان جاہل قوموں کو سکھایا تو ماتم کرنے اور رونے پیٹنے کے خلاف منادی کر دی اور فرمایا کہ جب کوئی مرجائے تو بس یہ کہا کرو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم سب خدا کے ہیں، اور ایک دن اُسی کے پاس ہم کو بھی جانا ہے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ مسلمان مرنے والے کی موت پر صبر کریں، اور جانیں کہ جب ہم سب کو بھی مرنا ہے تو ہائے ہو کرنے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ اُس کی روح کو کچھ پڑھکر ثواب پہنچایا چاہیئے،

لیکن جب مسلمان ہندوستان میں آئے، تو اُنہوں نے ہندوؤں کو دیکھا کہ وہ بھی کسی کے مرنے پر جاہل عربوں کی طرح روتے پیٹتے ہیں، تو مسلمانوں نے بھی اُن کی عادت سیکھ لی۔ اور اسلام کے حکم کو بھول گئے +

اب کوئی مرتا ہے تو اُس کے گھر والوں پر کئی طرح کی آفت آتی ہے، ایک تو اس کا غم کہ گھر کا ایک آدمی جان سے

گیا۔ دوسرے اس کا فکر کہ اب فاتحہ درود اور ماتم پُرسی کرنے والوں کی خاطر مدارات کا انتظام کرنا ہوگا۔ تیسرے یہ کہ لا انتہا آنسوؤں کی ضرورت ہوگی، کیونکہ جو نیا آدمی گھر میں آئے گا تو گھر والوں کا فرض ہوگا کہ اُس کے سُنانے کو دو ایک چیخیں ماریں اور پانچ چار آنسو بہائیں ۔

بات تو غم کی ہے، مگر میں تو اس کو بھی ہنسی کے انداز سے لکھوں گا، اگرچہ تم خود جانتی ہو کہ غمی کے گھر میں کیا کیا ہوا کرتا ہے، مگر میں دوسروں کے سمجھانے کو ایک فرضی ماتمی تصویر لفظوں میں دکھاتا ہوں ۔

جو یہ ہے

بی رقیہ کے خاوند کا انتقال ہوگیا، ان کے چار بچے ہیں، غریبی کی حالت ہے، تین بچے بہت چھوٹے ہیں ایک بارہ سال کا ہے ۔

رقیہ کے خاوند تین مہینے بیمار رہے اور اس میں اتنا خرچ ہوا کہ آج رقیہ کے پاس اتنا بھی نہیں کہ کفن منگا سکے ادھر تو یہ مفلسی کا حال، اُدھر سُنو کہ کیا کیا سامان ہوتے ہیں ۔

ایک بیوی جو پڑوس میں رہتی ہیں رونے کی آواز سُنکر جھوٹ موٹ روتی بسورتی گھر میں گھُسیں۔ ان کو رقیہ کے میاں سے تو کچھ ہمدردی نہیں تھی رونا کیونکر آتا اس واسطے اُنہوں نے اپنی مرنے والی لڑکی کا خیال جمایا

حس سے بے اختیار آنسو آگئے، اور یہ آنسوؤں کو لیئے
ہوئے رقیہ کے ہاں پہنچیں، اور جاتے ہی چیخیں مارنی
شروع کیں +

ائے بہنے اِن بچوّں کو کس پر چھوڑا رے' ہا ہا ہائے
ارے اکیلا کہاں چیلا رے' ہا ہا ہائے، او ہو ہوں،
او ہو ہوں۔

بچاری رُقیہ نے بھی مُنہ ڈھک کر چیخیا شروع
کیا، اور اُس کے دل پر ان پڑوسن کے بیان سے اور
گھسو لشہ لگا ؛

جب پڑوس رو چُکیں تو پوچھنے لگیں ائے کل تک
تو ہوشیار تھے، آج ایکا ایکی ان کو کیا ہوگیا ؟ بچاری
رقیہ نے اوّل سے آخر تک ساری داستاں سُنائی، یوں
تو رات کو کھانا مانگا، یوں سبھل کر بیٹھے، یوں بچوّں کو
بُلاکر پیار کیا، یہ یہ باتیں کیں، اور پھر ایک ہی ہچکی لی تھی
کہ کام تمام ہوا +

یہ باتیں ختم نہ ہوئی تھیں، کہ دوسری پڑوسن نازل
ہوئیں اور پھر وہی سماں چیخنے اور رونے بیان کرنے کا
بندھا، اور رونے کے بعد اُنہوں نے بھی وہی سوال کیا
جس کو رقیہ نے اوّل سے آخر تک سُنایا۔ غرض پھر تو یہ
حالت ہوئی کہ لگا تار عورتیں آنی شروع ہوئیں اور
سب رقیہ کو ہر ایک کے ساتھ رونا پڑا اور سب ہی کو

کل تم کو لڑکوں کا کار لے کر بیٹھنا ہے، آج کم خرچی کا خیال کروگی تو لوگ سوم کنجوس سمجھنے لگینگے پھر کون تم کو مٹی دے گا؟

رقیہ غریب چُپ ہوگئی، وہ اُن سے کیا کہتی کہ میرے پاس تو فقط بالیاں تھیں اور وہ کفن دفن کو دے چکی۔

بالیوں کے روپے تو کفن، قبر کی زمین اور گور کنوں میں صاف ہوگئے میت گھر سے گئی تو پان چھالیہ کا دَور چلا اور پنواڑی سے ایک روپے کا سودا قرض منگوایا گیا۔

پٹاری پر جو بیوی پان بنانے بیٹھیں اُن کا عالم تھا کہ روتی جاتی ہیں اور مرنے والے کی باتیں کھنکھنی آواز میں کر رہی ہیں اور چُپکے چُپکے پان چھالیہ چھپا چھپا کر اپنی لڑکی کی رضائی میں رکھتی جاتی ہیں، جس کو تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی گھر جاکر رکھ آتی ہے۔

دوسرا دن ہوا دور دور کی رشتہ دار عورتوں کی پُرسش شروع ہوئی، رقیہ بدقسمت کو پھر رونے اور ساری کا قصہ سُنانے کی مصیبت اُٹھانی پڑی اور اُس کی کہتے کہتے اور روتے روتے آواز بیٹھ گئی، مرنے والا تین مہینے سے بیمار تھا مگر جو آتا تھا یہی کہتا تھا اے تمہیں کیا ہوا، کیا تھا، آٹھ دن ہوئے تو سنے کے آئے آن کر

بازار میں پھرتے دیکھا ہے، رقیہ کہتی نہیں بی وہ تو تین تین
چار پائی سے مل بھی نہ سکے +
غرض اسی قسم کی جھوٹی محنت جتانے والیوں کے
طوفان میں پھول ہوئے، گھر کا مکان گروی ہوا اور جو بچ
رہا تھا پکّی جو رونے والیوں نے کھائی بھی اور لٹائی بھی +
مرنے والے کے جتنے کپڑے تھے وہ سب عورتوں نے
باہر مسجد میں بھجوا دیے، رقیہ نے چاہا کہ نہ دوں،
بچّوں کے کام آ جائینگے، مگر عورتوں کے سامنے اُسکا
بس نہ چلتا تھا، جو سارا گھر بانٹ دینے پر تلی ہوئی تھیں
پھولوں کے بعد دسواں ہوا، بیسواں ہوا، چالیسواں ہوا،
اور ان میں وہی قرضہ کا روپیہ خرچ ہوتا رہا، یہاں تک
کہ جب چالیسواں ہو چکا ہے، تو رقیہ کے پاس ایک پیسہ
بھی نہ بچا تھا، مکان بھی گیا، گھر کا وارث بھی گیا اور
رونے والے اپنے اپنے گھر کو سدھار گئے۔ مصیبت پڑی
اس بیچاری پر جس کا اور کوئی سہارا نہ رہا تھا +
مسلمانوں کی غمی سال بھر تک گھر میں رہتی ہے چاہے
بچّوں کے کھانے کو کچھ نہ ہو، مگر فصل کی نئی ترکاری پر
مرنے والے کی نیاز ضرور ہو، پڑوسن کہتی ہیں۔ اے ہے
بیچارا ترستا پھڑکتا گیا ہے اُس کو بھی تو کچھ بھیجو +
پہلے! اسلام نے پھولوں، دسویں، بیسویں، چالیسویں
کا کہیں حکم نہیں دیا، یہ سب خدا رسولؐ کے خلاف رسمیں

ہیں بس یہ ہونا چاہیئے کہ جب کوئی مرجائے تو اِنّا للہ پڑھیں
اور خدا کی مرضی پر صبر کریں رونا آئے تو چپکے چپکے آنسو
بہائیں نہ چیخیں نہ بیان کریں، کہ یہ سخت گناہ ہے اور اس
سے بڑا عذاب ہوتا ہے۔

میت دفن ہو جائے تو اُس کی روح کو قرآن پڑھکر
ثواب پہنچائیں، اور اگر توفیق چار پیسے کی ہو، تو دو پیسے
کا کھانا پکاکر یا کپڑا خرید کر یا نقد کسی اپاہج کو، اندھے محتاج
کو، یا یتیم کو، یا غریب نادار رشتہ دار کو جو خود نہ
کما سکتا ہو، وہ کھانا کپڑا یا نقدی دیدیں برادری کے کھلانے
کی، اور ان مفت خوریوں کے پیٹ بھرنے کی کچھ ضرورت
نہیں، اس کا ثواب میت کو کچھ نہیں ہوتا،
بلکہ ان رسموں کو مٹانے کے لیئے تو یہ کرنا چاہیئے کہ کچھ
بھی نہ کیا جائے، نہ کپڑا دے، نہ کھانا دے نہ نقدی
دے، یعنی ظاہر میں دکھانے کو کچھ نہ کرے،
اور سب سے چھُپ کر نہایت پوشیدہ کسی کو ان لوگوں
میں سے جن کا ذکر میں نے کیا دے دے میں جانتا
ہوں کہ لوگ ایسے موقع پر کہیں گے۔

"مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود"

ان کہنے والوں کے طعنے برداشت کرلیے جائیں، یہ بکنے
والے، آپ بک بک کر چُپ ہوجائیں گے، ہم کو اپنی
عاقبت کا خیال کرنا چاہیئے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے چار دن

کی زندگی کا کیا ہے، کچھ ڈر نہیں، اگر خدا کی محبت کے
عوض ہم کو کوئی بُرا بھلا کہے، ہنسی کے بواسوں سے تو حق
بات کے لیئے اپنے اور اپنے بچوں کے سر دے دے،
کسی کے پاس خرچ کم ہو یا بچے زیادہ ہوں، یا اپنے
کھانے پینے کا توڑا ہو، تو اُس کو مرنے والے کے نام
کھانا کپڑا دینا حرام ہے، اُس کو تو قرآن شریف کی
سورتیں پڑھ کر بخش دینی کافی ہیں، یا یہ کرے کہ کسی
بیمار کی خدمت کرے اور اُس کا ثواب مُردے کو بھیج دے
کسی پیاسے کو پانی پلا دے، گرمی میں کسی کو پنکھا جھل دے
کسی محتاج کی روٹی پکا دے، یعنی جس کے گھر میں کوئی
پکانے والا نہ ہو، تو اُس کا آٹا منگا کر پکا دے اس میں
بھی اُس کو ثواب ملے گا، یہ ثواب چاہے اپنے لیئے رکھے
چاہے اپنے کسی مُردے کو بخش دے +

دیکھو لیلےٰ! اچھی طرح سمجھ لو اور حور بانو کو سمجھا دو
کہ اگر میں مر جاؤں، تو نہ میرے پھول کرنا، نہ دسواں نہ
بیسواں نہ چالیسواں، نہ میرے نام پر ظاہر داری کے لیئے
ایک کوڑی کسی کو دینا۔ اگر میں خواب میں آ کر کہوں
لیلیٰ! مچھلی کو جی چاہتا ہے، تو کہہ دینا چل دور مچھلی کی کیا
جنت میں کمی پڑی ہے، جو مجھ سے مانگتا ہے۔ تو خواجہ
صاحب کی روح نہیں ہے، کوئی شیطان ہے جو مجھ کو
گناہ کی رسموں پر ستہ دینے آیا ہے، اگر وہ جنت میں

ہیں وہ ہماری موسمی ترکاریوں اور جوتی مسواک جوڑے کی اُنہیں کیا ضرورت، اگر وہ روح میں ہیں تو یہ چیزیں کھانے کی اُنہیں اجازت کون دے گا، اور اس کے علاوہ روح جب بدن سے نکل گئی، تو اب اُس کو دُنیا کے کھانے والے سے غرض ہی کیا رہی؟ یہ سب خیالی باتیں ہیں اصل غرض تو ثواب سے ہے، میں تین دفعہ قُلْ ھُوَ اللہ پڑھوں گی، جس کا ثواب ایک قرآن کی برابر ہوگا اور اُن کو بخش دوں گی، بس یہی کافی ہے!

اور اگر لیلیٰ! پہلے تم مرگئیں (دور یار دشمن مُدّعی) تو میں تمہاری کریا کرم کچھ نہ ہونے دونگا، ہاں یتیموں غریبوں، محتاجوں، بیماروں، طالب العلموں کی مدد کر کے تمہارے نام ثواب کے پارسل فرشتوں کے ڈاک خانہ کے ذریعہ بھیج دیا کروں گا!

غمی کی بُزرگانہ رسموں کے سبب ہم مسلمان تباہ ہو گئے ہیں اگر سب کی حقیقت سُناؤں تو یہ سبق بہت بڑھ جائے گا۔

ہندؤں کی غمی تو یہ تو یہ مُسلمانوں سے لاکھ درجہ زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور اس قدر خرچ کرنا پڑتا ہے کہ بیچارہ گھر والا تباہ ہو جاتا ہے مگر وہ تو ہندؤں کے پاس پیسہ لا اُٹھاتے جو اُنہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا!

انگریزوں کی غمی کا یہ دستور ہے کہ اوّل تو بیماری

ہیں ہر وقت مریض کو پوچھنے والے نہیں گھیرے رہتے۔ دروازے کے باہر ایک کتاب رکھی رہتی ہے۔ جو پوچھنے والے آتے ہیں اور اُس میں اپنا نام اور تاریخ لکھ جاتے ہیں، تاکہ بیمار اچھا ہوجائے تو اُس کو، ورنہ گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی نے ہم سے ہمدردی کی اور پوچھنے آیا +

جب کوئی مرجاتا ہے، تو سب لوگ جمع ہوتے ہیں جنازہ کو گاڑی میں رکھتے ہیں جو اس کام کے لیئے مقرر ہوتی ہے۔ اور پھر سب رشتہ دار دوست احباب اپنی یا کرایہ کی گاڑیوں میں سوار ہوکر قبرستان جاتے ہیں، جہاں میّت کو دفن کردیا جاتا ہے۔ اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں +

یہ لوگ مرنے والوں کے رشتہ داروں سے میّت کا یا اُس کی بیماری کا کچھ ذکر نہیں کرتے بلکہ کوئی ذکر کرتا ہو تو اُس کو روک دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کیا فائدہ، اس کو مرنے والے کے ذکر سے زیادہ غمگین نہ کرو +

غرض کوئی شخص زبان پر مرنے والے کا ذکر لاتا ہے، نہ خط میں اس کو لکھتا ہے اور ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ میّت کے گھر والوں کے دل سے اس واقعہ کو بھلا دیا جائے +

مجھے ان کے ہاں جو یہ گاڑیوں میں سوار ہوکر جانے

کی رسم بُری معلوم ہوتی ہے اور اپنے اسلام کا قاعدہ پیدل ساتھ چلنے کا اور میت کو کندھا دینے کا اچھا معلوم ہوتا ہے اور حقیقت میں یہی اچھا ہے، کیونکہ ایک سچے دین کی رسم ہے

ہاں انگریزوں کی یہ رسم بہت اچھی ہے کہ وہ ایسی باتیں نہیں کرتے جس سے بار بار گھر والوں کا غم تازہ ہو اور ان کے دل میں ہر شخص رنج کے خنجر مارے۔

سب سے اچھا دستور تو اسلام کا ہے کہ صبر کیا اور خدا کی مرضی یہ خیال کر کے سر جھکا دیا کہ اس کے بندے ہیں جو اس کی خوشی ہمیں دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ صبر کرنے کے بعد اگر میت کا ذکر اذکار بھی ہو تو کیا ڈر ہے

انگریزوں میں یہ قاعدہ نہیں ہے کہ پس ماندہ لوگ خیر خیرات کریں بلکہ مرنے والا خود وصیت کر جاتا ہے کہ میرے بعد فلاں فلاں نیک کاموں میں اتنا خرچ کر دیا۔

ہمارے ہاں اسلام کا حکم اس سے بھی اچھا ہے، اس میں لکھا ہے کہ تم اپنے گھر والوں کے بھروسہ پر نہ رہو جو نیکی اور خیر خیرات کرنی ہے زندگی میں اپنے ہاتھ سے کر جاؤ

مرنے کے بعد دُکھ بٹے کھو وں کے بھرے ہوئے

خیرات کیے جائیں۔ اس کا ثواب اتنا ہوگا جتنا زندگی میں
فقط دو کھوریں خدا کے نام دینے میں ہوتا۔
پس عقلمندی تو یہ ہے کہ جیتے جی نیکیاں اور خیر
خیرات کر جائے گھر والوں پر کیوں چھوڑے
اس لئے لو میں تو آج ہی سے اس پر عمل شروع
کر دیتا ہوں پھر بانو کو جمعرات کی فاتحہ دلوانے کی
ضرورت ہی نہ رہے گی؛
آج کے سبق میں پوچھنے کی بات فقط اتنی ہے کہ
غمی کی رسموں کی اصلاح کیونکر ہو اور جو کچھ میں نے
بیان کیا یہی غمی میں قابل اصلاح ہے یا اور بھی کچھ
ایسی باتیں ہیں جن کی اصلاح کرنی چاہئے، جو میرے ذہن
میں یہ سبق لکھتے وقت نہیں آئیں تمھیں کچھ معلوم ہوں
تو لکھو والسلام

جواب خواجہ جی! تم نے غمی کا نقشہ تو خوب کھینچا
ہے۔ یہی رسومات ہوتی ہیں غمی میں یا ممکن ہے کوئی اور
رسم بھی ہوتی ہو جس کو میں نہ جانتی ہوں، اور تم نے بھی نہ لکھی
ہو، کیونکہ مجھے معلومات نہیں ہے مگر آزار سے رونے کا
رواج اب کم ہے، غمی میں تو یہ رسمیں ہوتی ہیں جو تم
نے لکھی ہیں مگر بیماری میں مریض یا مریضہ کو اس سے بھی
زیادہ مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے
جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو جو لوگ اس کی عیادت کو

آتے ہیں ان کی اس قدر یورش ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ
مریض دوگنا پریشان ہو جاتا ہے۔

جو شخص پوچھنے آتا ہے وہ مریض ہی سے پوچھتا ہے کہ
کیا حالت ہے، اب جبر ہے بیچارے مریض پر کہ
اوّل سے آخر تک سب حال بیماری کا سنائے۔ ایک
تو وہ مرض میں مبتلا اور بےچین ہوتا ہے، دوسرے یہ
مصیبت، مجبور وہ بیچارا سناتا ہے، اگر نہ بیان کرے
تو لوگ کہتے ہیں ہم تو ہمدردی کی وجہ سے گئے تھے یا
محبت بہت تھی، اس نے ہمیں منہ بھی نہ لگایا اسے مرنے
کو تو پڑے ہیں اور یہ دماغ ہیں، غرض جتنے منہ اتنی
ہی باتیں بنتی ہیں اگر کسی نے سب حال بیان کیا
تو پھر کیا تھا، ہر ایک شخص کو چاہئے کہ وہ جب بیمار
کے پاس بیٹھے تو کوشش کرے کہ مریض کے دل
پر یہ نہ جمنے پائے کہ میری بہت ابتر حالت ہے
لیکن بیٹھنے والے یہی کہتے ہیں " اے ہے دیکھو تو
دُبلا کس قدر ہو گیا ہے، رنگ زرد ہے، اور آپس
میں اشارہ کنایہ سے طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں
جس سے بجائے بیمار کا خیال بٹنے کے اور چوگنا
بیمار ہراساں ہو جاتا ہے، مریض کا دل نہایت
نازک اور ناتواں ہو جاتا ہے جب اس قسم کی باتیں
اپنے متعلق سنتا ہے تو اور بھی اس کا دل کم ہو جاتا

ہے اور بیماری زیادہ حملہ کرتی ہے، یہ نتیجہ ہوتا ہے
محنت چھپانے والوں کی محنت کا ۔

خواجہ جی! جو شخص خراب رسموں کو قطع کرنا چاہے
اس کو خوب اچھی طرح مضبوط ہو جانا چاہئے پھر تو
ان باتوں کی اصلاح ہونی آسان ہے کیونکہ آج کل کچھ
ایسا رواج ہے کہ جو آدمی کسی دوسرے شخص کو
جو کرتے دیکھتا ہے وہی آپ بھی کرنے لگتا ہے، وہ یہ
نہیں سمجھتا کہ آیا یہ کام ہمیں بھی موافق آئے گا اور
سہ سکے گا یا نہیں، خواہ وہ اس کے نفع کا ہو خواہ
نقصان کا مگر کرتا ہے دوسرے کی ریس

جو شخص کوئی نئی بات کرے گا اس کو لوگ
پہلے تو بہت سے نام رکھیں گے خواہ وہ اچھا ہی
کیوں نہ ہو پھر اس کے بعد کچھ نہیں۔ یعنی دو دن
کی کہہ کہہ ہوتی ہے پھر آپ سب خاموش ہوجاتے
ہیں، بلکہ جو بھی ہی کرنے لگتے ہیں جس کو دو دن
ستتر نام رکھتے تھے

خدا نخواستہ جب کوئی غمی کی بات ہو، جب ہی
سیدھے راستہ پر چلو، خدا نخواستہ کی بھی کچھ بات
نہیں ہے کیونکہ ایک دن ہم سب کو وہیں جانا ہے
کسی کو پہلے کسی کو پیچھے، چاہے سو برس جئے،
یہ ہے ایک سٹا جسے سب [illegible] ہے اگرچہ خیالی

میں کوئی بات ہو جائے تو اس کا افسوس ہوتا ہے
جبکہ ہم جانتے ہیں اور ہمیں بتا دیا گیا ہے تو پھر ہمیں
رونا واویلا کرنا نہ چاہئے، دنیاوی محنت کو ضبط کرے،

گیارھواں سبق (کئی بیویاں)

کہتے ہیں کہ سوکن کا جلایا خدا دشمن کو بھی نہ دے
مسلمان مردوں کو چار تک نکاح کرنے کی خدا نے
اجازت دی ہے اور اس میں کئی کئی بیویاں کرنا کوئی
عیب نہیں ہے پھر بھی سوکنوں کی لڑائی اور دشمنی
کا زور شور رہتا ہے اور کئی بیوی والے خاوند
کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔

ولایت میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا
نکاح کرنا قانوناً منع ہے کوئی مرد کرے تو پکڑا جائے
اور جیل کی ہوا کھائے

ہندوستان میں بھی نئی روشنی والے کئی بیویاں
کرنے کو عیب سمجھنے لگے ہیں، ہندو راجاؤں میں
بہت سی رانیاں رکھنے کا اب بھی رواج ہے، اور
پہلے بھی ہندو کئی بیویاں کرنی جائز سمجھتے تھے مگر
اب ولایت کی دیکھا دیکھی وہ بھی کئی بیویاں رکھنے کو
بُرا سمجھتے ہیں۔

جس شخص کی کئی بیویاں ہوتی ہیں اُس کو رات دن

مصیبت کا سامنا رہتا ہے کیونکہ عورت کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ مرد کے ساتھ اکیلا رہنا چاہتی ہے کسی دوسری عورت کی شرکت اس کو نہیں بھاتی، تم پوچھوگی کہ پھر اسلام نے چار کی اجازت کیوں دی، اسلام تو بالکل فطرت اور عقل کے موافق مذہب ہے، لڑائی جھگڑا اور فساد کا روکنے والا دین ہے، پھر اس نے یہ درس کی گانٹھ "کیوں بوئی اور مسلمانوں کو خانہ جنگی میں کیوں ڈال دیا

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن شریف نے چار بیویاں کرنے کی اجازت دی ہے، حکم نہیں دیا یعنی یہ فرمایا ہے کہ اگر تم میں اتنی طاقت اور عقل ہو تو دو تین یا چار بیویاں کر سکتے ہو بشرطیکہ چاروں میں انصاف قائم رکھ سکو ورنہ ایک سے زیادہ ہرگز نہ کرنا اور یہ چار بھی حکماً نہیں ہیں، یعنی چار بیویاں کرنی فرض نہیں ہیں جی چاہے کرو جی چاہے نہ کرو

خدا جانتا تھا کہ کئی بیویاں کرنے سے جھگڑے ہونگے مگر اُس کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ جھگڑے اتنی تکلیف نہ دینگے جتنی ایک بیوی والے کی حرامکاری سے تکلیف ہوگی اس واسطے اس نے مسلمانوں کو حرام سے بچانے کے لئے چار بیویاں کرنے کی اجازت دے دی،

عورت کی زندگی میں چار وقت ایسے آتے ہیں جن

ہیں وہ مرد سے الگ رہنے پر مجبور ہوتی ہے، ایک تو وہ دن جو سب عورتوں کو پیش آتے ہیں، دوسرے حمل کا زمانہ، تیسرے زچگی کا وقت، چوتھے بیماری کے ایام

پس جب عورت ان چاروں میں سے کسی زمانہ میں مبتلا ہوتی ہے تو مرد کو اکثر اوقات شیطان بہکاتا ہے اور گناہوں میں ڈال دیتا ہے اور پھر وہ گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک دفعہ کرکے مرد کا جی ان میں لگ جاتا ہے اور وہ گھر کی بیوی کا خیال چھوڑ بیٹھتا ہے۔ حرام کاریوں میں گھر کی دولت، خاندان کی آبرو اور تندرستی تباہ ہو جاتی ہے اور عاقبت کا عذاب الگ رہا

اس واسطے خدا نے اجازت دے دی کہ چار تک نکاح کر سکتے ہو۔ تاکہ مجبوری کی ان چاروں حالتوں میں جن کا ذکر اوپر آیا حرام کا خیال ہی نہ آئے کیونکہ چاروں میں ایک نہ ایک بیوی تو اس کا ساتھ دے سکے گی

لیلےٰ صاحب! انصاف سے غور کرو تو نکاحی سوکن کے سلاپے سے حرام کی سوکن کا جلاپا بڑا سخت ہوتا ہے اور اس جلاپے میں ساری زندگی برباد ہو جانے کا ڈر رہتا ہے۔ عورتیں اس کا خیال کریں اور خدا کی

گہری حکمت کو سامنے رکھیں تو ان کو سوکن کا جلایا کبھی نہ ہو اور بہت سے گھر ہیں جہاں بیویاں دین کی مصلحت کو سمجھ کر آپس میں پیار محبت سے رہتی ہیں، اور سوکناپے کا ذرا بھی خیال نہیں کرتیں،

اس کے علاوہ کئی بیویاں کرنے میں ایک یہ مصلحت بھی ہے کہ اولاد زیادہ ہوتی ہے اور انسان کا فرض ہے کہ وہ نسل بڑھائے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم زیادہ اولاد پیدا کرنے کی کوشش کیا کرو کیونکہ میں قیامت کے دن اپنی اُمّت کی زیادتی پر فخر کروں گا،

یہ کئی بیویاں کرنے کی برکت ہے کہ مسلمان ساری دنیا کی قوموں کے مقابلہ میں ہر سال ترقی کرتے رہتے ہیں اور ان کی تعداد روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے ہندوستان میں دس سال کے بعد مردم شماری ہوتی ہے اس کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان لاکھوں بڑھ جاتے ہیں، اور دوسری قومیں گھٹ جاتی ہیں،

آجکل یورپ کی عالمگیر لڑائی کے سبب لاکھوں مرد کم ہوگئے ہیں اور لاکھوں عورتیں لاوارث رہ گئی ہیں۔ اب ولایت کے عقلمند سوچ رہے ہیں کہ اسلام کا قانون جاری کئے بغیر چارہ نہیں ہے، یعنی کئی بیویاں کرنے کا قاعدہ جاری نہ کیا جائے گا تو ان بیچارہ عورتوں کا ٹھکانا نہ

کہاں لگے گا۔

ایک بیوی پر قناعت کرنے والے اور حرام سے بچنے والوں کی بھی دنیا میں کمی نہیں ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ سب ہی حرامکار ہو جاتے ہیں مگر فیصلہ کثرت پہ ہوا کرتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک بیوی کے پابند لوگوں میں زیادہ آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی نیت کبھی نہ کبھی ڈانواڈول ضرور ہو جاتی ہے۔ ولایت کے اخباروں میں ایسی خبریں اکثر چھپا کرتی ہیں جن کا لکھنا اس کتاب کی حالت کے خلاف ہے۔

اب یہ بات باقی رہی کہ جو مسلمان کئی بیویاں کرتے ہیں وہ خدا کے حکم کے موافق ان میں انصاف اور برابری بھی قائم رکھتے ہیں یا نہیں کیونکہ یہی بے انصافی جھگڑوں کا باعث ہوتی ہے اور اسی کے سبب لوگ کہنے لگتے ہیں کہ کئی بیویاں کرلی بُری۔

بیشک بہت لوگ جہالت کے سبب بیویوں کے حق کو نہیں پہچانتے ایک کو لونڈیوں کی طرح خراب حال میں رکھتے ہیں اور ایک کو بیگم صاحبہ بنا لیتے ہیں یہ اسلام کے سراسر خلاف ہے اور سخت گناہ ہے۔ حکم تو یہ ہے کہ سب بیویوں کے ساتھ یکساں برتاؤ ہو، کپڑا سب کو یکساں دیا جائے، کھانا یکساں ہو، میل جول رہنا سہنا برابر ہو، رسول خدا کی کئی بیویاں تھیں۔ مگر انھوں

نے خوبصورت و بدصورت چھوٹی عمر والی اور بڑی عمر
والی گھڑ و پھوڑ سب کو ایک نگاہ سے دیکھا، اور
سب کے ساتھ برابر کا سلوک کیا ہم لوگ اگر بے انصافی
کریں گے تو اس کا الزام خود ہماری ذات پر ہوگا،
نہ کہ اسلام پر نہیں۔

اب تم بتاؤ کہ کئی شادیوں کی نسبت تمھارا کیا
خیال ہے؟ تم خدا رسولؐ کی اجازت اور اپنے پیارے
نبی کی حکمت کو اچھا سمجھتی ہو اور مسلمانوں کی تعداد
بڑھنے کو پسند کرتی ہو یا اس کو کہ خاوند ایک بیوی کا
پابند رہے دوسرا نکاح نہ کرے اور نئی روشنی کی
طرفداری کا علام ہو جائے

جواب خواجہ جی! کئی بیویاں کرنے کے مسئلہ میں مجھ کو
آپ سے اتفاق ہے اور میں اپنے سب زیادہ عزیز
اور پیارے مذہب کے خلاف ہرگز رائے نہ دوں گی۔

ناجائز طریقہ سے میاں کسی سے محبت کرے تو بیشک
بیوی کو اس کے خیال کرنے کا حق ہے، کیونکہ اس قسم
کی عورتوں کا کوئی حق نہیں ہوتا، مگر ناجائز معاملہ میں
بھی بیوی کی ناراضگی سے کچھ نہیں ہوتا میاں گناہ سے
نہیں بچتا بلکہ بیوی کا روکنا اور ناراض ہونا اُلٹا اثر کرتا
ہے اس لئے میاں کو ایسے پیرائے میں سمجھائے کہ وہ
نہایت آسانی سے بُرے تعلقات کو چھوڑ دے۔

دوسرے نکاح سے منع کرنے کا بیوی کو کوئی حق نہیں ہے اگر وہ مسلمان ہے تو خدا کے حکم کے آگے سر جھکانا چاہئے۔ خواجہ صاحب! تم نے لکھا ہے سوکن کا جلاپا خدا دشمن کو بھی نہ دے، میں کہتی ہوں دشمن تو دشمن دوستوں کو ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے مگر ہاں یہ کہو کہ بے انصافی اور ناجائز عداوت خدا کسی مرد اور عورت کو نہ دے

میاں کی بے انصافی تو ہوتی ہے مگر اس کا کیا علاج کہ سوکن ابھی گھر میں آئی نہیں یا ابھی نکاح میاں نے کیا نہیں برتاؤ ابھی دور ہے مگر جناب بیوی صاحبہ کی وضع بالکل پلٹ جاتی ہے، یعنی وہ میاں ہی سے پلٹ جاتی ہیں اور پہلے ہی سے ان کے دل میں رقابت کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے۔

اب خیال کرنا چاہئے کہ جب نام سے اس قدر جلن ہو گی تو پھر سوکن کے آئے پر تو جو بھی جھگڑا ہو تھوڑا ہو تعجب نہیں

پس جو خرابیاں بڑھتی ہیں اور خاوند بے انصاف ہو جاتے ہیں وہ سب بیوی کی بے عقلی کی بدولت سے دوسرے نکاح سے وہ نہ بگڑے تو خاوند اس کی قدر برابر کرے گا

چار بیویاں کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر ایک

ہے۔ عورتوں کو خدا ہدایت دے کہ وہ سوکن سے عداوت نہ رکھیں اور مرد کو انصاف کی توفیق دے جن کے ہاں کئی بیویاں ہوں اور وہ سلوک سے رہتی ہوں۔ اس مرد کو بھی اور عورتوں کو بھی شکر کرنا چاہئے کیونکہ ایک تو انھوں نے مذہب کی پابندی کی دوسرے خدا نے ان کو ایسا پاک اور با انصاف اور سنجیدہ دل دیا کہ دین کے پابند ہو کر خوشی کی زندگی بسر کی۔

بارھواں سبق (سمدھیانے)

لیلیٰ! پڑھو، حرف سین، یہ سین ہمارے گھروں پر چھایا ہوا ہے، بیٹا بیٹی کے رشتہ اور ساری زندگی میں اسی حرف سے کام پڑتا ہے۔ تکلیف بھی اس سے ہے اور راحت بھی اس سے

ذرا حساب کرو، ساس، سسرے، سالیاں، سالے سلج سوکن یہ سب سمدھیانے کے ضروری آدمی ہیں۔ اور ان سب میں پہلے سین آتا ہے۔ یہ شاید سین کا خلل ہے کہ ہم لوگوں میں کہا جاتا ہے کہ سمدھیانہ اور پاخانہ گھر سے دور رہنا چاہئے

رشتہ تو اس واسطے ہوتا ہے کہ اس سے ٹوٹے ہوئے دل جڑیں، آپس میں محبت پیدا ہو، مگر ہماری نادانیوں سے یہ رشتے اُلٹا اثر دکھاتے ہیں

شادی کے سبق میں تم نے پڑھا ہے کہ ہمارے ہاں شادی لڑائی کا پیغام ہو جاتی ہے، عورتیں اپنی بے عقلی سے ایسی باتیں کرتی ہیں کہ خوشی کے دنوں میں رنج کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، آج میں تم کو شادی کے بعد سمدھیانوں کے وہ حالات سناتا ہوں جن سے بیٹا بیٹی کے معاملات خراب ہوتے ہیں اور سمدھیانوں کی ناسمجھی سے دُلہن دولہا کے دلوں میں شروع سے فرق پڑ جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ ایسی جڑ پکڑتا ہے کہ ساری عمر کا جلا یا میاں بیوی کے لئے بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انہی سمدھیانوں کی بدولت اور عورتوں کی بے عقلی کی طفیل برادریوں اور خاندانوں میں دشمنیاں پڑ جاتی ہیں اور مسلمانوں کی آپس کی عداوتوں کو چار چاند لگاتی ہیں؛

سمدھیانوں کی دشمنی کچھ تو شادی کے دنوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ان اسباب سے جن کا ذکر شادی کے سبق میں آیا ہے، یعنی لکھوانے پڑھوانے اور لین دین کے سبب اور کچھ بعد میں دُلہن دولہا اور ساس سسروں کی بے وقوفی اس کو ترقی دیتی ہے، مثلاً اس کی یوں پڑتی ہے کہ دُلہن اپنے دولہا کی باتیں میکہ میں جاکر ماں بہنوں سے بیان کرتی ہے، ان میں سے بعض ایسی ہوتی ہیں جن کا لکھنا شرم کی بات ہے، اور بعض ایسی ہوتی ہیں جن سے دُلہن

کے ماں باپ کو غصّہ آجاتا ہے۔

دولہا جب اِن باتوں کو سُنتا ہے تو بیوی کے لتروں ہی سے نفرت کرنے لگتا ہے، اور پھر اس سے دل کی بات کہنی چھوڑ دیتا ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بیزاری ایسی بڑھتی ہے کہ میاں کے دل میں بیوی کا ذرا بھی اعتبار نہیں رہتا اور وہ بدسلوکیاں کرنے لگتا ہے، جس کی شکایتیں اکثر عورتوں کو خاوند سے ہوتی ہیں

خاوند کے اس بگاڑ کے علاوہ گھروالوں میں بھی بدمزگی پیدا ہوتی ہے یعنی لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی دونوں طعن تشنیع پر اُتر آتے ہیں، اور ہوتے ہوتے مردوں میں بات پھیل جاتی ہے اور عداوت جڑ پکڑ لیتی ہے۔

دوسری بات فساد کی یہ ہوتی ہے کہ لڑکے والے کہتے ہیں دُلہن ہمارے ہاں زیادہ رہے۔ لڑکی والوں کا اصرار ہوتا ہے کہ میکہ میں زیادہ رہے۔ اِس ضد بحث سے بھی لڑائیاں ٹھن جاتی ہیں، جس کا انجام بچارے دُلہن دولہا کے حق میں بُرا نکلتا ہے اور ان کی خوشی کے دن ہی کرکرے نہیں ہوتے بلکہ ساری عمر کی اَن بَن میاں بیوی میں پڑ جاتی ہے سمدھیانے والوں کا کچھ نہیں جاتا۔ ان کی اولاد کا گھر برباد ہوجاتا ہے۔

میرے خیال میں بیٹی والوں کو ہر وقت دبنے[1] کی ضرورت ہے، جب بیٹی کا نکاح کر دیا تو پھر اس کے ماں باپ اور بہن بھائی کا کچھ زور نہ ہونا چاہئے۔ ان کو سوچنا لازم ہے کہ ساری عمر لڑکی ان کے پاس رہی، اب وہ خاوند کی ملک ہے، ان کا اب کچھ حق نہیں رہا اس واسطے وہ بیٹی کے سسرال والوں کی ہر بات کو مانیں۔ اگر لڑکے والے چار دن بہو کو رکھنا چاہیں تو یہ چھ دن کی اجازت دیں، یہ نہیں کہ انھوں نے کسی بات میں ضد کی تو یہ بھی اکڑ گئے۔ ان کے اکڑنے کا وقت جب تک تھا کہ بیٹی کا نکاح نہ ہوا تھا۔ اب تو ان کو دبنے کی ضرورت ہے۔

غور کرو تو سارا دار مدار خود دلہن کے اوپر ہے اس کو اپنا انجام سوچنا چاہئے، ماں باپ کے برتے پر خاوند اور سسرال والوں سے بگاڑنی سخت نادانی ہے ماں باپ خواہ بادشاہ ہوں جب بھی لڑکی کا عمر بھر ساتھ نہیں نباہ سکتے۔ پھر وہ میکہ والوں کی نفسانیت کا ساتھ دیگی تو خود سر پر ہاتھ رکھکر روئے گی۔

دلہن کو چاہئے کہ خاوند کی جو بات سنے اس کو

[1] کئی سال کے تجربہ کے بعد اب میری رائے یہ نہیں ہے کہ ہر وقت بیٹی والوں کو دبنا چاہئے بلکہ یہ ہے کہ اعتدال سے کام لینا چاہئے ۱۲ حسن نظامی

چھپائے، خواہ وہ چھپانے کی ہو یا نہ ہو، میکہ میں جا کر
ہرگز کوئی بات سسرال کی نہ کہے اور نہ میکہ کی بات
سسرال میں آکر بیان کرے۔

شریف اور عقلمند بیٹیاں وہ ہیں جو خاوند کے عیب
کو ماں باپ کے یا اور کسی کے سامنے نہیں کہتیں اور
اور اس طرح شوہر کے دل میں اپنا اعتبار جما لیتی ہیں۔
اگر اتفاق سے اس کے میکہ والے بے عقل ہوں اور ضد
سے بیٹی کو گھر میں بٹھا لیں تو دور اندیش لڑکی ماں
باپ کی کچھ پروا نہیں کرتی۔ خود سسرال چلی جاتی ہے
جس سے سسرال والوں اور میاں کا دل بڑھ جاتا ہے
وہ اس کے دلدادہ بن جاتے ہیں۔ اور ماں باپ کی
مامتا ایسی ہے کہ چند دن تو وہ بیٹی کی اس حرکت
سے ناراض رہتے ہیں، مگر پھر جوشِ محبت سے مجبور
ہوکر اس سے ملنے لگتے ہیں اور اس کی خطا کو بھول جاتے
ہیں، گویا بیٹی کا ہر گناہ میکہ میں معاف ہو سکتا
ہے، مگر سسرال میں نہیں، لہذا اس کو ہر وقت خاوند
اور سسرال والوں کا خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے
خلاف کوئی بات نہ ہو

سمدھیانہ خواہ بیٹی کا ہو یا بیٹے کا اولاد کی زندگی
کا اسی پر مدار ہے۔ بیٹے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی
کوئی بات نہ ہونے دیں جس سے ہو اور اُس لیے بیکہ

والوں کا جی میلا ہو کیونکہ ان کو اپنے بیٹے کا گھر آباد
رکھنا ہے، برباد کرنا نہیں ہے، دو باتیں کڑوی سُنیں
تو ان کو پی جائیں یہ نہیں کہ شتابہ لگا اور بارود بھڑکی۔

لیلیٰ! زندگانی بڑی کٹھن منزل ہے۔ لوگ کہتے
ہیں مرنا مشکل ہے، وہ وقت خدا آسان کرے، میں
کہتا ہوں جینا مشکل ہے، خدا اس گھاٹی سے پار لگائے
میرے پاس صدہا عورتیں تعویذ گنڈے کے لئے آتی ہیں،
جن سے سُنتا ہوں یہی سُنتا ہوں کہ بیٹی پر سسرال والے
ظلم کرتے ہیں، میکہ میں نہیں آنے دیتے، میں تعویذ
بھی دیتا ہوں اور یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ نہیں آنے
دیتے تو اچھا کرتے ہیں۔ تمہاری بیٹی اتنی مدت تو تمہارے
پاس رہی اب تک تمہارا جی نہیں بھرا اب اس کو شوہر
کے ہاں رہنے دو کہ ساری عمر اس کو وہیں رہنا ہے
تم اپنی ممتا کو ذرا قابو میں رکھو

لیلیٰ! عورتوں کی سب سے جھوٹی ممتا ہے، اور
ایسی محبت ہے جس کا نتیجہ خود ان کی لاڈلی کے حق میں
زہر ہو جاتا ہے

لو بس میں نے سمدھیانوں کی حالت کا سبق پورا
کر دیا اب تم اس کو سمجھو اور عورتوں کو سمجھاؤ کہ وہ
آئندہ ایسی بے وقوفی کی باتیں نہ کیا کریں جن سے لڑکی
کا گھر برباد ہو۔

بتاؤ سمدھیانوں میں یہی ہوتا ہے جو میں نے لکھا، یا کچھ اور ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کی خانہ جنگیوں میں اس کو بڑا دخل ہے یا نہیں ۔

مسلمان کیا ہندؤں میں بھی یہی حال ہے ان کے سمدھیانے بھی لڑائی کے آتش خانے ہوتے ہیں، خدا دونوں کو سمجھ دے اور وہ اپنے ہاتھوں سے اولاد کی جڑ نہ کاٹا کریں

انگریزوں میں سمدھیانوں کی کشمکش ذرا نہیں ہوتی کیونکہ وہ بیٹا بیٹی کی شادی کے بعد دونوں سے بے تعلق ہو جاتے ہیں اور سارا بوجھ میاں بیوی پر آن پڑتا ہے۔ البتہ ان کے ہاں دولہا کو اپنی ساس سے کبھی کبھی شکایت کا موقع ہوا کرتا ہے ۔

جواب ہاں خواجہ صاحب ! سچ کہتے ہو اوّل اوّل یہی باتیں سمدھیانوں میں پیش آیا کرتی ہیں جن کا انجام نہایت خراب ہوتا ہے ۔

اور سب میں زیادہ بیچارے دولہا دلہن کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر اصل فساد دلہن دولہا کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔ اس پر اوپر والے پتے اور ڈالیاں لگاتے ہیں، دولہا دلہن جڑ جاتے ہیں، اوپر والے اس میں پانی دیتے ہیں۔ لو صاحب عمر عمر کو پورا فساد پھیل جاتا ہے ۔

سمدھیانوں میں دخل زیادہ تر چار شخصوں کا ہوتا ہے، دولہا، دلہن، دولہا کی والدہ، دلہن کی والدہ، اگر ان چاروں کو خدا نے سمجھ دی تو منزل آسان ہے، ورنہ دولہا دلہن کو ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ اوّل تو دولہا کو چاہئے کہ بے آزمائے دلہن سے کوئی بات نہ کہے جب تک کہ اس کا مزاج نہ دیکھ لے، مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ جب دلہن دولہا کی زین زندگی ٹھیری تو پھر وہ کوئی بات کیوں چھپا رکھنے لگا، اور اگر رکھے بھی تو شکایت کی جگہ ہے۔

بیشک ان سب باتوں کا دار و مدار دلہن پر ہوتا ہے اس کو چاہئے کہ اگر دولہا بیوی کے سامنے اپنے ساس سُسروں کو گالیاں بھی دے تو چُپکی بیٹھکر سُن لے بلکہ اس کی ہاں میں ہاں ملائے کہ اس کا جی ٹھنڈا ہو جائے اگر اس وقت تھوڑی سی سہار کرے گی تو پھر ساں خود انصاف سے معافی مانگ لے گا کیونکہ ایک چُپ سو کو ہراتی ہے۔ اب اگر ماں باپ عقلمند ہیں تو پھر کہنا ہی کیا ہے مگر بے وقوف بھی ہوں گے جب بھی ان کے کان میں ہر وقت داماد کے متعلق اچھی آواز پڑے گی تو ان کو ایسی بے وقوفی ظاہر کرنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔

اور اگر اس سے بھی زیادہ والدہ صاحبہ بوقوف

ہوئیں تو بھی دلہن ہی کا فرض ہے کہ وہ ماں کو سمجھائے اور اس کی بے وقوفی ظاہر نہ ہونے دے ورنہ پھر ساس داماد کی نظروں میں بھی حقیر ہو جاتی ہے ۔

غرضکہ دولہا کے دل میں گھر پیدا کرنا ساس سسرے، نند دیور سب کے ساتھ قاعدہ کے موافق برتاؤ کرنا اپنے ماں باپ کو سمجھانے کا دارومدار دلہن پر ہوتا ہے، اور اگر وہ ان سب باتوں کا خیال رکھے تو پھر کچھ بھی جھگڑا و فساد نہ ہو

تیرھواں سبق (بیاج)

ایک روپیہ اصل چار روپئے بیاج کے، سود خوار اس طرح اندھا دھن لوٹتے ہیں، سود دینے میں مرد عورتوں سے زیادہ ہیں۔ مگر چونکہ زیور عورتوں کا گروی رکھا جاتا ہے اس واسطے میں اس کا سبق بھی تم کو دیتا ہوں کیونکہ تم عورتیں چاہو تو مرد اس وبال سے بچ سکتے ہیں ۔

دین اسلام میں بیاج لینا اور دینا دونوں سخت گناہ ہیں اور بیاج لینے والے اور دینے والے کو یکساں عذاب ہوگا۔ لکھا ہے کہ سود دینے والے اور لینے والوں کے گناہ کا سب سے کم درجہ اتنا ہے جیسے انھوں نے اپنی ماں سے حرام کیا۔ توبہ توبہ

خدا ہر مسلمان کو اس وبال سے بچائے۔ ذرا سوچو تو سہی سود دینا اور لینا برابر کے گناہ ہیں تو مسلمان لینے میں تو احتیاط کرتے ہیں لیکن دینے میں کسی کو کچھ پرواہ نہیں۔ بڑے بڑے متقی مولوی بھی سودی قرضہ لیتے ہیں

سودی قرضہ زیادہ تر عورتوں کی خاطر لیا جاتا ہے شادی غمی کی فضول خرچیوں، ناک اور نام نمود کی رسموں کے لئے بچارے مرد عورتوں کے تقاضے سے سودی روپیہ قرض لیتے ہیں، اور انہی بے وقوف عورتوں کا زیور رہن رکھا جاتا ہے۔ لیتے وقت تو معلوم نہیں ہوتا کیونکہ سود کی رقم کم معلوم ہوتی ہے، سو روپئے قرض لیے تو بنیے نے کہا ایک پیسہ روپیہ سود لگے گا۔ انہوں نے خیال کیا روپئے پیچھے ایک پیسہ دیا گیا تو کیا بڑی بات ہے مگر یہ نہ سوچا کہ پیسہ پیسہ کرکے سو پیسوں کے پچیس آنے اور پچیس آنوں کے ایک روپیہ نو آنے ہوگئے۔ ہر مہینہ یہ رقم بڑھنی شروع ہوئی اور ہوتے ہوتے بہت زیادہ روپئے ہوگئے تو بنیے نے اس سودی رقم کا بھی بیاج لگانا شروع کیا اور چند روز میں سو کے دو سو چار سو ہزار دو ہزار روپئے ہوگئے۔ جو زیور رہن رکھی تھی وہ بھی غارت ہوئی اور گرہ سے بھی رقم بھی دینی پڑی اور سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ خدا

کے گنہگار رہتے ۔

اصل میں خدا کے گناہ کی طرف تو ہم لوگوں کو کچھ توجہ ہی نہیں ہے۔ کوئی سود کھاتا ہو تو مسلمان اس کے گھر کا پانی نہ پئیں گے مگر کوئی سود کھلاتا ہوگا تو اس پر کسی کو کچھ اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک حمام میں سب ننگے ہیں وہ خود بھی تو سود دیتے ہیں

لیلائے اڈرو، ڈرو اور عورتوں کو ڈراؤ۔ خدا نے فرمادیا ہے جو سود لے گا اُس کی بھی ایک دن تباہی ہوگی اور جو سود دے گا وہ بھی برباد ہو جائے گا، آخرت کا عذاب الگ رہا، یہ تباہی تو دنیا کا عذاب ہے ۔

مردوں کو یا عورتوں کو کوئی ضرورت پیش آئے تو اوّل تو یہ خیال کریں کہ یہ کام بغیر حرج کے بھی ہو سکتا ہے یا نہیں، ناک کا اور نام نمود کا کچھ خیال نہ کرنا چاہئے اصل آبرو خدا کے گھر کی ہے۔ اس کے ہاں پھٹکار پڑی تو دنیا کی عزت کس کام آئے گی ۔ اگر یہ کام بغیر حرج یا فضول حرج کے ہوسکتا ہے تو اور روپیہ لینے کا ارادہ ہی نہ کریں اور اگر ایسا کام ہے کہ بغیر روپیہ کے چارہ ہی نہیں تو چیز کو فروخت کر ڈالیں ۔ رہن ہرگز نہ رکھیں، عورتوں کو خیال ہوا کرتا ہے کہ پھر ایسی چیز میسّر نہ آئے گی، لاؤ گرو یں کر دیں تاکہ یہی چیز پھیر پاس آجائے، یہ اُن کی سخت بے وقوفی ہے

دنیا میں اچھی سے اچھی چیز ہر وقت مل سکتی ہے، روپیہ پاس ہو تو ایک دفعہ عنقا کو بھی خرید سکتے ہیں۔ عورتوں کو چاہیئے کہ آنکھ بند کر کے زیور کو فروخت کر دیا کریں رہن ہرگز نہ رکھیں، اس طرح وہ خدا کے گناہ سے بھی بچیں گی اور ان کو دوگنی تگنی جوگنی رقم بھی نہ دینی پڑے گی۔

لیلیٰ! یہ سبق معمولی نہیں ہے اگر تم ساری زندگی عورتوں کے سمجھانے میں خرچ کرو اور دس عورتوں سے بیاج دینے کی عادت چھڑا سکو تو اتنا بڑا کام ہو کہ قیامت تک دنیا میں نام روشن رہے اور آخرت کے ثواب کی تو کچھ حد ہی نہیں۔

جو عورت اس سبق کو پڑھے اُس کو قسم ہے خدا کی اور اُس کے کلام پاک کی کہ وہ ہرگز ہرگز کبھی سودی قرضہ نہ لے، چاہے وہ فاقہ سے مٹ رہے، مگر یہ گناہ ہرگز نہ کرے۔ اور نہ اپنے خاوند کو کرنے دے

بیویو! یقین مانو بیاج کی بدولت خدا کا قہر نازل ہوتا ہے، بیماریاں آتی ہیں، کال پڑتا ہے، بچے مرجاتے ہیں۔ رات دن آسمانی بلائیں نازل ہوتی ہیں، تم فوراً توبہ کرو اور سچے دل سے عہد کرو کہ آئندہ کبھی سودی قرضہ نہ لوگی

میوں کے سود در سود لینے کے خلاف خدا سکتے

خواجہ غلام الثقلین صاحب نے لاٹ صاحب کے ہاں فریاد کی تھی، اور آج کل سرکار اس پر غور بھی کر رہی ہے خدا نے چاہا عنقریب کوئی قانون اسکے خلاف بن جائیگا۔
مگر اصل قانون تو خدا کا ہے جو تیرہ سو برس سے بنا ہوا ہے، یعنی قرآن شریف نے سود لینے اور دینے کی سخت منائی کر دی ہے، اگر ہم مسلمان خدا کے قانون کی مخالفت کریں گے تو دونوں جہان میں منھ کالا ہو جائیگا، الٰہی توبہ! الٰہی توبہ!!

لیلیٰ! آج کے سبق کا جواب یہی ہے کہ تم عہد کرو کہ کبھی سودی قرضہ نہ لوگی، اور کوئی کام آن پڑے تو حتی الامکان تو بغیر حرج ہی کے اس کو ٹالوگی، نہیں تو اپنی کوئی چیز فروخت کر کے کام چلاؤگی بیاجو نا قرض نہ لوگی۔

پہلے تم عہد کرو، جور ماو سے عہد کراؤ۔ ایسا عہد جو خدا کو حاضر ناظر جان کر ہو، تاکہ پھر کبھی اس قسم کے توڑنے کا حوصلہ ہی نہ ہو سکے، لو پہلے تو میں قسم کھاتا ہوں اور خدا کو گواہ کر کے لکھتا ہوں کہ کبھی سودی قرضہ نہ لوں گا

جواب خواجہ صاحب! سود کے عذاب کا حال سن کر جی لرز گیا۔ بے شک یہ بُری بلا ہے۔ اس واسطے میں نے سود کی عہد کر لیا کہ سود دینے کا خیال

کبھی دل میں نہ لاؤں گی۔ اور حور بانو سے بھی عہد کرا لیا ہے کہ خواہ کیسی ہی مصیبت کا سامنا کیوں نہ ہو مگر سود کا خیال ہرگز ہرگز دل میں نہ لانا۔ یعنی بیاج نہ لینا نہ دینا۔

میں تو اس بیاج کے عذابوں کے آگے زیور کپڑا سب ہیچ سمجھتی ہوں، مگر بعض عورتوں کو ایسی چیزیں بہت عزیز ہوتی ہیں، انہیں یہ بھی تو خیال کریں کہ یہ عادت نہ چھوڑنے میں کتنے نقصان ہیں اور آخرت کا عذاب الگ رہا جو سب سے زیادہ خطرناک ہے۔

خدا سب بہنوں کو توفیق دے کہ وہ خدا کے حکم کے خلاف کبھی نہ سود لیں نہ دیں، آمین۔

چودھواں سبق (نذر نیاز)

لو بیوی نزہت نصرت تمہاری نیاز کی پڑیہ۔ آج کا سبق ہی نیاز نذر کا ہے۔

میری تو گھٹی میں نیاز کی شکر پڑی تھی۔ کیونکہ ہمارے گھرانہ میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے پہلے اس کی گھٹی میں حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز کی شکر ڈالتے ہیں

میں نذر نیاز کا قائل ہوں، بزرگوں کی اپنے بزرگوں کی نیازیں دلواتا ہوں مگر ایسا لکیر کا فقیر نہیں ہوں کہ آجکل کی رواجی نذر نیاز کی خرابیوں سے آنکھیں بند

کرلوں اور اپنے بھائیوں کو اس کی بدولت تباہ ہوتا دیکھوں اور کچھ نہ بولوں۔

اس لئے آج میں نے اس کا سبق لکھ دیا کہ تم اور سب عورتیں جان لو کہ نیاز کیا ہے اور ان دنوں کیونکر ہوتی ہے اور اصل میں کس طرح ہونی چاہئے۔

نیاز نذر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو خدا کے نام پر اتنی خیرات کروں گا، غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا، کپڑے تقسیم کروں گا یا بچوں کو مٹھائی بانٹوں گا، اور ایک یہ کہ کسی بزرگ کے نام پر کھانا کھلاؤں گا یا مٹھائی پر ان کی نیاز دے کر تقسیم کروں گا۔ یا نقدی محتاجوں کو دے کر اس کا ثواب ان بزرگوں کو بخش دوں گا، اور ایک یہ کہ اولیاء اللہ کی وفات کے دن کھانے پر یا مٹھائی پر ان کی فاتحہ دلوانا اس کو نیاز نذر کہتے ہیں۔

ان تینوں نیازوں اور نذروں کی حقیقت یہ ہے کہ اگر شخص خدا سے منت مانی جائے اور اس کے نام کچھ خیرات کی جائے تو یہ بہت ثواب کی بات ہے، دین اسلام میں ایسی نذر و نیاز کی اجازت ہے، اور اگر بزرگوں کے مزارات یا ان کے نام پر منت مانی جائے تو یہ ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ نیت یہ ہو کہ سب کام خدا کرتا ہے اولیاء اللہ فقط وسیلہ ہیں، یہ نیت ہرگز نہ ہو

کہ وہ بزرگ ہماری مراد دیں گے۔ نیت اس نیت سے ہو گی کہ فلاں ولی یا بزرگ یہ کام پورا کریں گے تو سب کرنے والا کافر ہو جائے گا۔ یہ بڑے خوف کا مقام ہے بہت احتیاط سے نیت کر لی جائے۔

اپنے باپ دادا یا اولیاء اللہ کے عرسوں کے دن ان کی فاتحہ دلوانی بھی اچھی ہے مگر اس میں بھی رسم و رواج اور نام نمود کا خیال نہ ہونا چاہئے

آجکل زیادہ تر عورتیں حضرت بی بی فاطمہ کی نیاز جس کو بی بی کی نیاز کہتے ہیں یا بی بی عزت عصمت کی پڑیا، یا بی بی کستی کی نیاز مانا کرتی ہیں اور اسی قسم کی صدہا وہمی اور ہنسی کی باتیں ہیں جن کا عورتوں میں رواج ہے

حضرت بی بی کی نیاز میں کچھ حرج نہیں مگر اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کہیں حضرت بی بی کو خدا کا شریک نہ مان لیا جائے یعنی یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت بی بی مراد پوری کریں گی

نہیں بی بی عزت عصمت اور بی بی کستی اور اسی قسم کی ساری نیازیں سب گناہ ہیں ان سے بچنا چاہئے۔

[illegible] اکثر گھروں میں دیکھا [illegible] کا نام کوئی نہیں لیتا [illegible] یا علی مشکل کشا یا بی بی فاطمہ [illegible] انکی [illegible]

پیروں کو پکارا جاتا ہے، یہ سب شرک اور کفر کی باتیں ہیں۔ جب دُعا مانگو یوں مانگو کہ الٰہی ان بزرگوں اور اپنے پیاروں کے طفیل ہماری مشکل آسان کر۔

عرسوں یا وفات کے دنوں میں نیازیں دلوانے کی بھی رسم ہو گئی ہے، برادری کی ناک کے لئے نذر نیاز کیجاتی ہے، ایسی نذر نیاز بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ نیاز اولیاءاللہ کی نہیں اپنی نمایش کی خاطر ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ نیاز نذر میں ایک خرابی اور پڑ گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ چاہے گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہو، بچے فاقے سے پڑے ہوں مگر سودی قرض لے کر نیاز ضرور دلوائی جاتی ہے، سودی قرضہ کی نیاز حرام اور سخت گناہ ہے:

نذر نیاز میں کھانا پکانے، یا مٹھائی منگانے کی ضرورت نہیں ہے، قرآن شریف اور درود شریف پڑھکر بخش دیا جائے تو اس کا ثواب زیادہ ہے۔

ہم مسلمانوں کے گھر نیاز کی رسموں کے سبب تباہ ہوئے جاتے ہیں۔ گھر میں کوئی بیمار ہو تو دوا میں ایک پیسہ خرچ نہ کریں۔ مگر نذر نیاز میں روپئے برباد کردیے جائیں گے

نماز نہ پڑھیں، روزہ نہ رکھیں، سارا دن جھوٹ بولیں گلے شکوے کرتے رہیں، چغلیاں کریں، رشوتیں

کھائیں، دعا باری میں خدا سے نہ ڈریں مگر سارے نذر نیاز سب کے آگئے ہوں۔ گیارھویں کی نیاز دلوادی، ہر گناہ سے پاک ہوگئے، محرم میں سبیل لگادی نجات مل گئی یہ سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ عورتوں کو سوچنا چاہئے کہ اوّل خدا ہے رسولؐ اللہ ہیں پھر سب پیر فقیر ہیں، خدا کے حکم تو پورے کرتے نہیں، جن باتوں سے اُس نے منع کیا ہے اُن سے باز آتے نہیں، بیہودی نیاز نذر ان کے کس کام آئیگی دیکھ لینا ایسے لوگ سیدھے دوزخ میں جائینگے جو دنیا کے دکھاوے کی نیاز کرتے ہیں۔

مقدم یہ ہے کہ نماز کی پابندی ہو، خدا رسول کے سب حکموں کی تابعداری ہو، بال بچوں کی خبرگیری ہو کنبہ رشتہ کے محتاجوں کی مدد ہو، یتیموں، مسکینوں کی امداد ہو، ان سب سے بچے تو نیاز نذر بھی سہی، یہ نہیں کہ اور کوئی نیک کام نہ ہو مگر نیاز نذر ضرور ہو۔

غریب بچوں کی تعلیم میں خرچ کرو اور اس کا ثواب بزرگوں کی ارواح کو بخش دو۔ یہ سب سے بڑی نیاز ہے۔ کسی کو نیک راستہ بتاؤ نماز روزہ کی تعلیم کرو اس کا تم کو بڑا ثواب ملے گا، وہ ثواب اولیاء اللہ کو یا اپنے باپ داداکو بخش دیا کرو۔ یہ کیا ضرور ہے کہ فضول خرچیاں کرکے نام نمود کے لئے کھانوں اور مٹھائیوں پر نیازیں دلواؤ، اور خواہ مخواہ زیر بار ہو۔

ہماری قوم میں جہالت کتنی پھیل گئی ہے اور اس کے
طفیل سے ہزار آدمی خدا رسولؐ کو بھول جاتے ہیں۔ سب
سے بڑے ثواب کا کام یہ ہے کہ مسلمان بچوں کی تعلیم
میں یہ روپیہ خرچ کیا جائے جو نذر نیاز میں فضول
برباد ہوتا ہے اور یہ ثواب بطور نذر نیاز کے بزرگوں
کو بخش دیا جائے

دیکھنا لیلےؔ! میں نے یہ لکھ تو دیا مگر اتنی صلواتیں
مجھ پر پڑیں گی کہ توبہ ہے، کوئی وہابی کہے گا، کوئی لامذہب
کہے گا۔ مگر مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے، جو حق بات
تھی میں نے کہدی ہدایت کرنا خدا کا کام ہے۔

ہندوؤں میں مسلمانوں سے زیادہ یہ فضول رسمیں ہیں
جس کو وہ دان پُن کہتے ہیں مگر اب ان میں سمجھدار لوگ
پیدا ہوتے جاتے ہیں اور ان فضولیات کے بدلے علمی
اشاعت میں خیر خیرات کرتے ہیں

انگریزوں کے ہاں نیاز نذر بالکل نہیں ہوتی وہ
خیرات تو کرتے ہیں مگر شفاخانوں میں، یتیم خانوں میں،
مدرسوں میں، نہ کہ ہماری طرح فضول نام نمود کی نذر
نیاز میں۔

سرنہیں نذر نیاز کی نسبت تمھارا کیا خیال ہوگا میں
نے تو خدا رسولؐ کے حکم کے موافق یہ سبق لکھدیا۔ اب سنوں
تم کیا کہتی ہو اور نذر نیاز پر کیا رائے دیتی ہو؟ خدا سے

امید ہے کہ تم جاہل عورتوں کی طرح نام نمود کی نیاز نذر کو گناہ سمجھتی ہو گی

جواب خواجہ صاحب! بیشک ایسی نیاز ماسی شرک ہے کہ خدا کا تو نام نہیں لیتے اور پیر فقیروں سے مدد مانگتے ہیں

میں نیاز نذر کی مخالف تو ہرگز نہیں ہوں مگر میں ایسی نیاز کی پابند نہیں ہوں جیسا کہ آجکل دستور ہے مشکل کے وقت نیاز مانے لیکن خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر اسی سے منت مانے ہاں پیروں فقیروں کا طفیل ضرور ہو کیونکہ وہ خدا کے پیارے اور محبوب بندے ہیں ان کی دعا سے خدا ہم گنہگاروں کی دعا ضرور قبول کریگا

اور جو نیاز بھی مانے اس کا تصرف ایسے کار خیر میں کرنا چاہئے کہ خدا بھی خوش ہو اور پیر بھی۔ ایسی نیاز سے کچھ حاصل نہیں کہ خدا کے نام پر تو نیاز مانی اور دعاوی نام نمود کا خیال کیا ایسی منت سے تو اس کے بدلے عذاب ہوتا ہے

نیاز نذر میں بھی ساری خرابی ناک کی ہے۔ اس ناک ہی کی خاطر ایسی رسمیں مقرر کی گئی ہیں

آجکل رتی ہے نیاز نذر بھی نام نمود کی خاطر کرتے ہیں ورنہ ہرگز اتنا عمل کریں نیاز نذر دلوائیں اللہ کے نام پر دیں تو اس طرح کہ ایک ہاتھ سے تو دوسرے

ہاتھ کو خبر ہو۔ اور کجا اس طرح کہ ڈھنڈورا پیٹ کر، میرے خیال میں یہ نذر نیاز ہرگز مقبول نہ ہوتی ہوگی

(پندرھواں سبق (اوپری خلل)

اے ہے لیلیٰ دونوں وقت مل رہے ہیں۔ باہر نہ نکلو ہلکا خون ہے، خدا نخواستہ دشمن مدعی کو اوپری چھپیٹا نہ ہو جائے۔

اوپری خلل کی نسبت تمہارا خیال مجھکو معلوم ہے کہ تم اس کو نہیں مانتیں کیونکہ تمہارا ایک مضمون رسالہ اُسوۂ حسنہ میں دیکھ چکا ہوں، مگر یہاں دوسری عورتوں کے سمجھانے کو ضرورت پڑی کہ چند جملے اس کے بھی لکھ دوں

ولایتی عورتیں بھوت پریت جن آسیب اور اوپری سایہ کو نہیں مانتیں دیسی عورتیں ہندو ہوں یا مسلمان اوپری خلل سے بہت ڈرتی ہیں۔ ان کو وہم ہے کہ شیاطین چڑیلیں اور خبیث روحیں عورتوں اور بچوں کو چمٹ جایا کرتی ہیں اس واسطے دیسی عورتوں کو خواہ کوئی بیماری ہو وہ یہی سمجھتی ہیں کہ اوپری سایہ ہے اور سیانے ملاّ کو علاج کراتی ہیں، حکیم ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتیں، کوئی کہے تو جواب دیتی ہیں یہ اوپری خلل ہے حکیم ڈاکٹر سے اس کا علاج نہ ہوگا، کسی سیانے ملاّ کو بلاؤ وہ اس کا

آزار کرے گا

سنو بیویو! اوپری خلل کوئی چیز نہیں ہے، محض وہم ہے، خدا تعالیٰ نے انسان کو وہ رتبہ دیا ہے کہ اس کو کوئی جن آسیب یا خبیث روح نہیں ستا سکتی، فرشتے ہر آدمی کے آس پاس پہرہ دیتے رہتے ہیں تم ہر وقت بے خوف اور بے فکر رہا کرو اور کسی اوپری چیز سے نہ ڈرا کرو اندھیرے اُجالے جب جی چاہے چلو پھرو، بچوں کو پھیرنے دو کسی کا بھی کھٹکا نہ ہوگا

بہت سے بچے بلکہ اکثر بچے عورتوں کے اس جاہلانہ عقیدہ کے سبب مر جاتے ہیں کہ وہ ان کا طبی علاج نہیں کرواتیں اور اوپری خلل کے وہم میں دعا تعویذ سیانے ملاؤں کے پاس ماری ماری پھرتی ہیں

یاد رکھو تعویذ گنڈہ میں بھی کرتا ہوں ہر قسم کے عمل جانتا ہوں چھ سو برس سے میرے خاندان میں پیری مریدی ہوتی آتی ہے مگر آج تک میں نے سچ مچ کا آسیب کسی پر نہ دیکھا ہر جگہ مرض ہی پایا جس کو اوپری سایہ سمجھا جاتا تھا بیماری میں دوا اور دعا دونوں کی لازم ہیں پیروں فقیروں کے پاس دعا کرانے جاؤ اور یقین رکھو کہ نیک بندوں کی دعا سے خدا بیماری دور کر دیتا ہے، مگر اس وہم کو دل سے دور کر دو کہ اوپری خلل بھی کوئی چیز ہے ہندو اور مسلمان دونوں کو یہ وہم دل سے نکال ڈالنا چاہئے

جواب اس کم بخت اوپری خلل کا سودا تو سب ہی
کو ہے اور سب عورتیں اس کو مانتی ہیں، مگر بعض عورتوں
میں یہ بھی عیب ہوتا ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم اوپری
خلل بھوت پریت جن پری وغیرہ کو بالکل نہیں مانتے
مگر ان کی اصلی حالت دیکھو تو ایسی ہوتی ہے کہ میاں بیوی
میں اتفاق نہیں ہے، تو اوپری سایہ ہے۔ بچے نے تھوڑا سا
بھی کہنا نہیں مانا تو اوپری سایہ ہے۔ غصہ زیادہ ہے
تو کوئی بات ضرور ہے وغیرہ وغیرہ۔ گویا زبان پر انکار
ہے اور عمل میں اقرار۔

سولھواں سبق (پیر)

تم تو خود پیرزادی ہو یا پیر کی بیوی ہو، پیرانی بیوی
کہلاتی ہو، اس سبق میں تمھارا جی کیا لگے گا۔ مگر میں تو
کچھ نہ کچھ سنا کر رہوں گا۔

کہتے ہیں جو کسی کا مرید نہ ہو اس کا پیر شیطان ہوتا
ہے مگر اس زمانہ میں بعض پیر ایسے شیطان ہیں جو دوسروں
کو مرید کرکے شیطان بنا دیتے ہیں

بیعت ایک عہد ہے جو پیر کے ہاتھ پر کیا جاتا ہے
کہ ہم خدا و رسول کے سب حکم مانیں گے اور جس بات سے
خدا و رسول نے منع کیا ہے وہ کام نہ کریں گے

مگر آج کل اکثر پیر تو خود ہی خدا و رسول کے حکم

پر چلتے ہیں۔ مریدوں کو چلاتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ
فقیری اور ہے اور شریعت اور ہے یہی وہ شیطان پیر
ہیں جن کے ہاتھ پر مرید ہونے سے مرید بھی شیطان بن جاتے
ہیں کیونکہ پھر مرید بھی شریعت کی پرواہ نہیں کرتے اور
سمجھنے لگتے ہیں کہ فقیری کے مقابلہ میں شریعت کوئی شے نہیں
بیبیو! شریعت کی پابندی بغیر خدا رسول کے فرمان
پر اچھی طرح عمل کئے بغیر نہ پیر پیر بن سکتا ہے۔ نہ مرید مرید
تم کو اور سب عورتوں کو چاہئے کہ ایسے پاکھنڈی اور مکار
فقیروں سے ہمیشہ پناہ مانگا جو کھلم کھلا خدا رسول کے
خلاف عمل کرتے ہیں ایسے پیر شیطان سے زیادہ اعوذ
باللہ پڑھنے کے قابل ہیں
عورتوں کو چاہئے کہ جس پیر کو نماز روزہ اور شریعت
کا پابند دیکھیں اس کے ہاتھ پر مرید ہوں اور مرید
ہونے کے بعد پیر کی نصیحت اور حکم پر دل و جان سے
عمل کریں کیونکہ پیر نائب رسول ہوتا ہے اور اس کا
ہاتھ درجہ بدرجہ سلسلہ بسلسلہ رسول خدا تک پہنچ
جاتا ہے۔ بعض عورتیں پیر کے سامنے آجاتی ہیں یا پیر
کے پاؤں دباتی ہیں یا اکیلے مکان میں جہاں پیر کے
سوا کوئی نہیں ہوتا پیر سے ملاقات کرتی ہیں، یہ سب
گناہ ہے اس سے بچنا چاہئے کہ خدا رسول نے اس
سے منع کیا ہے

بعض پیر بچارے مجبور ہو جاتے ہیں اور مریدنیاں
زبردستی ان کے سامنے آجاتی ہیں اس واسطے پیروں کو
چاہئے کہ ہمیشہ ان کو نصیحت کرتے رہیں۔

لیلیٰ جی! میرے ساتھ یہ اکثر پیش آتا ہے کہ میری
مریدنیاں سمجھانے کے باوجود نہیں مانتیں اور سامنے
آجاتی ہیں، اُس وقت مجبور ہو جاتا ہوں لیکن میرا فرض
ہے کہ تم کو اور سب عورتوں کو اصل مسئلہ بتا دوں۔

بعض پیر ریشمی کپڑے پہنتے ہیں یا ایسی وضع رکھتے
ہیں جو شریعت کے خلاف ہے ایسے پیروں کا مرید ہونا گناہ
ہے کیونکہ جب پیر خود ہی شریعت سے باہر ہے تو مُرید
کو کیا خاک راہِ راست پر لائے گا۔

جواب میں اس کو مانتی ہوں کہ ایسے پیر کا مُرید ہونا
چاہئے جو شریعت اور خدا و رسولؐ کے حکم کا پابند ہو،
جب مرید ہو جائے تو اُس کی ہر ایک نصیحت پر عمل کرنا
چاہئے پھر یہ نہ ہو کہ پیر کی طرف سے کوئی خیال فاسد
دل میں آئے اسی واسطے چاہئے کہ پہلے خوب اچھی طرح
آزما لے، پھر مرید ہو تاکہ مرید ہونے کے بعد کسی طرح
کی بدگمانی پیر کی طرف سے ہوئی تو دین بھی خراب اور
دنیا بھی خراب۔

رہا پیر کے سامنے آنا اس میں دو باتیں ہیں ایک
تو یہ کہ پردہ کرنا چاہئے، اگر خاوند کی مرضی پردہ کی ہو،

دوسری یہ کہ پردہ نہ کرنا چاہئے اگر شوہر اجازت دیدے کیونکہ پیر بھی باپ کی برابر ہوتا ہے۔ ہاں آجکل کی نازک حالت کو دیکھکر تو اچھا یہی معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کیا جائے۔

سترھواں سبق (عُرس اور محرّم)

ایسا بھی دل کس کام کا جس میں کچھ بھی اُمنگ نہ ہو، لیلا اتم کو نہ عرسوں کی بہار دیکھنے کا شوق، نہ قوالی سُننے کا ارمان، نہ اس کی تمنا کہ محرّم کی مجلسیں دیکھنے جاؤ یا امام باڑوں میں تعزیہ کی سیر دیکھو

مگر مجھ سے پوچھو تو تمھاری یہ مُردہ دلی ہزار زندہ مزاجی سے اچھی ہے عورتوں نے تو ہڑ دنگا مچا رکھا ہے جس عرس میں دیکھو مردوں سے زیادہ ان کی بھیڑ بھاڑ نظر آئے گی، بچے رو رہے ہیں میلہ کے ہجوم میں دھکے کھا رہی ہیں نہ بیٹھنے کو جگہ ہے نہ چلنے پھرنے کو لیکن ان کو عرسوں میں آنا ضرور، عرس کی سیر کئے بغیر ان کا جی مانتا ہی نہیں۔

عرس تو آجکل میلے تماشے بن گئے ہیں حالانکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ بزرگوں کی وفات کے دن خلقت ان کے مزاروں پر جمع ہوتی تھی، قرآن پڑھتی تھی دعائیں مانگتی تھی اور روحانی فیض حاصل کرتی تھی۔

اب یہ حال ہے کہ نہ کوئی قرآن پڑھتا ہے۔ نہ دعا

پاتے ہیں، ناچ رنگ میں سب مصروف رہتے ہیں، نفسانی مزے کے لئے قوالیاں سنتے ہیں، لڈو کچوری کھاتے ہیں پتنگ بازی کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے عرس میں گئے تھے۔

مرد تو مرد عورتیں بھی سیر تماشے کو عرسوں میں جاتی ہیں اور ان کے سبب ایسی بے شرمیاں ہوتی ہیں کہ مجھے لکھتے ہوئے غیرت آتی ہے۔

عرسوں میں غیر قوم کے لوگ بھی ہوتے ہیں، وہ جب مسلمان پردہ نشین عورتوں کو اس طرح مردوں کے جمگھٹے میں دیکھتے ہیں تو دین اسلام کی شرافت پر اعتراض کرتے ہیں

عرسوں سے زیادہ محرم کے دنوں میں عورتوں کی بے غیرتی بڑھ جاتی ہے کھلے جرائے تعزیوں کے ساتھ گشت کرنے نکلی ہیں امام باڑوں میں ماری ماری پھرتی ہیں اور کوئی ان کو نہیں روکتا۔ بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ عرس اور محرم مذہبی مراسم ہیں ہمیں عورتوں کو منع کرنے کا حق نہیں اور بعض منع کرتے ہیں تو عورتیں نہیں مانتیں لڑتی ہیں اور زبردستی جاتی ہیں، یا خاوند سے پوشیدہ طرح طرح کے بہانے کرکے عرس و محرم میں پہنچتی ہیں

یہ بڑا سخت گناہ ہے، عورتوں کو عزت کا اور پردہ کا

خیال رکھنا چاہئے۔ درگاہوں میں جب عرس ہوں تو ہرگز نہ جائیں، خالی دنوں میں جاکر زیارت کریں اور محرم کی مجلسوں اور امام باڑوں میں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے اپنے گھر میں بیٹھکر بھی اماموں کی یاد ہوسکتی ہے۔

بتاؤ تمھارے سال میں اس کی اصلاح کیونکر ہوسکتی ہے؟ اور آیا اصلاح کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔

جواب توبہ توبہ خواجہ! میرا دل خدا نہ کرے جو ایسا ہو، عورتوں کو کس نے بتایا ہے عرسوں اور محرّموں کی کی مجلسوں میں پھرنا۔

اور مرا یہ ہے کہ بعض یہ کہتی ہیں کہ ہم سے کوئی عرس چھٹا ہوا نہیں ہے یعنی ہر عرس میں شریک ہوتے ہیں پیروں سے اور امام حسنؑ حسینؑ سے ہمیں بہت عقیدت ہے۔

خدا کی پھٹکار ایسی عورتوں پر جو میلے تماشے میں مردوں کے ساتھ ساتھ پھرتی ہیں جو جو ان کے شرمناک واقعات پیش آتے ہیں خدا کی پناہ، مسلمان ہوکر ایسا بڑا لگاڑ کس نے بتایا ہے

اوّل تو عورتوں کو خود اس کی اصلاح کرنی چاہئے یعنی اپنے دل کو قابو میں رکھیں، ذرا غیرت پکڑیں سارے دنیا میں مسلمان زیادہ غیرت دار قوم ہیں، پھر جو مسلمانوں کی عورتیں ایسی بے حیائی اختیار کریں تو کتنی شرم

شرم کی بات ہے؟

غیر قومیں جتنا بھی اعتراض کریں کم ہے۔کیونکہ وہی کہاوت ہے اونچی دُکان پھیکا پکوان۔ مسلمانوں کی دھاک تو اسی ، گن دیکھو تو خاک بھی نہیں

اس کے علاوہ مردوں کو بھی اس کا خیال کرنا چاہئے عورتوں کو ہرگز ایسی ناجائز اجازت نہ دیں

اٹھارھواں سبق (تندرستی)

کہتے ہیں ایک تندرستی ہزار نعمت ہے، میں کہتا ہوں ایک بیماری ہزار نعمت ہے،کیونکہ بیماری میں انسان کو خدا کی نعمتوں کی قدر ہوتی ہے، حالانکہ نیک بندوں کا فرض یہ ہے کہ وہ تندرستی میں خدا کی نعمتوں کا شکرانہ زیادہ ادا کیا کریں

ہندوستانی ہندو ہوں یا مسلمان ساری دنیا سے زیادہ بیمار ہوتے ہیں اور ہمیشہ کسی نہ کسی عارضہ کی مصیبت ان کے سر پہ سوار رہتی ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ اُن کے مکان اچھے ہیں، نہ لباس ڈھنگ کا ہے نہ کھانا ایسا ہے جس سے تندرستی قائم رہے۔

مکان ہندؤں کے ایسے گھٹے ہوئے ہوتے ہیں جن میں نہ سورج کی روشنی جائے نہ ہوا کا گزر ہو، مسلمانوں

ہو جاتی ہیں کیونکہ ہر آدمی کے سانس میں ایک زہر ہوتا ہے اگر مکان کے اندر ہوا آتی جاتی ہو تو یہ زہر دور ہو جاتا ہے ورنہ لوگوں کو بیمار کر دیتا ہے

عورتوں کو چاہئے کہ اگر مکان بنوائیں تو اس میں ہوا کے لئے ایسی کھڑکیاں رکھیں کہ چاروں طرف کی ہوا آتی جاتی رہے یا کسی کرایہ کے مکان میں جاکر رہیں تو پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس میں صاف ہوا بھی آتی ہے یا نہیں

اس میں امیری غریبی کو دخل نہیں ہے۔ انگریز غریب بھی ہو تب بھی اس کا مکان ہوادار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ سب ضرورتوں سے مقدم صاف مکان صاف لباس صاف کھانے کو سمجھتا ہے مجھے تو انگریزوں کی یہ عادت بہت پسند ہے ۔

کھانا مشہور ہے کہ ہندوؤں کا باورچی خانہ صاف ہوتا ہے ، انگریزوں کا دسترخوان (میز خانہ) جہاں کھانا کھلاتے ہیں صاف ہوتا ہے اور مسلمانوں کا کھانا صاف اور مزیدار ہوتا ہے ۔

یعنی ہندو جہاں کھانا پکاتے ہیں اس کو زور لیپ پوت کر صاف رکھتے ہیں مگر کھانے کی چیزیں ان کی نہ مزیدار ہوتی ہیں نہ جلدی ہضم ہونے والی بلکہ ایسی ثقیل ہوتی ہیں کہ ہندو اکثر بدہضمی سے بیمار رہتے ہیں

انگریزوں کا کھانا نرا بدمزہ پھیکا اور نرا ہوتا ہے مگر ان کی میز ایسی صاف ستھری اور برتن کھانے کے ایسے اچھے ہوتے ہیں کہ خواہ مخواہ کھانے کو جی چاہتا ہے۔

انگریزوں کا کھانا مزے میں اچھا نہ ہو مگر ہضم ہونے میں اور طاقت دینے میں اکسیر ہے، انگریز رات دن میں پانچ دفعہ کھاتے پیتے ہیں اور سب ہضم ہوجاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کھانا بہت ہلکا اور صحت کے موافق ہوتا ہے۔

ان کے کھانے میں گھی اور مسالہ زیادہ نہیں پڑتا اکثر چیزیں سادی اور اُبلی ہوئی ہوتی ہیں۔

مسلمانوں کا کھانا سبحان اللہ! جو چیز ہے چٹاخ پٹاخ دو اُنگلیاں چکھو اور گھنٹوں اُنگلیاں چاٹتے رہو، دور سے ایسی خوشبو اسلامی کھانے کی آتی ہے کہ آدمی کے منہ میں پانی بھر آئے۔

دنیا بھر میں کسی قوم کے ہاں ایسے مزیدار کھانے نہیں ہوتے جیسے مسلمانوں کے ہاں ہوتے ہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ گھی بہت ڈالا جاتا ہے مسالے کثرت سے پڑتے ہیں جن کے سبب معدہ ان کھانوں کو جلدی ہضم نہیں کرسکتا۔ مسالوں کی تیزی معدہ کی ہضم کرنے والی طاقتوں کو خراب کر دیتی ہے گھی کی چکنائی معدہ کی چکی کو ایسا بنا دیتی

ہے کہ وہ کھانا پیس نہیں سکتی اور نہ معدہ کھانے کی طاقت
چوس سکتا ہے

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا کھانا فقط زبان تک
اچھا ہے، پیٹ میں جاکر بالِ جان ہو جاتا ہے اور مسلمان
اسی وجہ سے بکثرت بیمار ہوتے ہیں

عورتوں کو چاہئے کہ ایسے کھانے ایجاد کریں جن میں
مزا بھی ہو یعنی انگریزوں کے کھانوں کی طرح بدمزہ نہ ہوں
اور تندرستی بھی ان سے خراب نہ ہونے پائے ۔

پانی کھانے سے زیادہ پانی کی صفائی اور عمدگی درکار ہے
ہندو مسلمان دونوں پانی کی کچھ پروا نہیں کرتے، نہ ان کے
کنوئیں صاف ہوتے ہیں نہ گھروں میں پانی کے برتن، تازہ
باسی پانی ملا دیا جاتا ہے اور ایک مٹکے میں مہینہ مہینہ بھر
کا باسی پانی جمع رہتا ہے اور اسی کو لوگ پیتے ہیں پانی
کی ایک بوند کو خوردبین سے دیکھو تو اس میں کیڑے نظر
آئیں گے کیونکہ پانی کے اندر قدرتاً کیڑے ہوتے ہیں
اور جب پانی رکھا رہتا ہے تو اور کیڑے بڑھ جاتے
ہیں کجا کہ مہینوں پانی کا برتن صاف نہ ہو، جب ایسا سڑا
ہوا پانی پیا جاتا ہے بڑے بوڑھے سب ہی بیمار رہتے
ہیں۔ اس کا تو کوئی خیال کرتا نہیں نہ سمجھتے ہیں کہ اوپری
خلل سے بیماریاں آگئی ہیں، کسی کی نظر ہو گئی ہے اس
مکان میں کچھ آسیب ہے عورتوں کو چاہئے کہ پانی کو ...

جوش دے کر صاف برتنوں میں بھرا کریں۔ گھر کے سب
کام دھندوں سے پانی کا کام ازحد ضروری ہے کیونکہ
اسی پر تندرستی کا دارومدار ہے

لباس ہم لوگوں کو خواہ ہندو ہوں خواہ مسلمان لباس
کی اچھا نہیں ہے یا تو ایسے باریک کپڑے پہنتے ہیں جن
سے سینہ گردن اور بدن کا رخ ہوا سے بچا نہیں ہوتا
یا ایسے تنگ موٹے اور بھاری کپڑے لاد لیتے ہیں جن کے
سبب بدن کا خون گردش نہیں کر سکتا۔ حالانکہ خون کی گردش
ہی پر تندرستی کا دارومدار ہے

خصوصاً بچوں کو تو بہت ہی برے کپڑے پہنائے
جاتے ہیں سردی میں ان کے سینہ اور پیر ان کو گرم رکھنے
کی تدبیر کوئی نہیں کرتا، قیمتی قیمتی کپڑے اور زیور پہنائے
جاتے ہیں، مگر سب نام و نمود کی خاطر تندرستی کے
خیال سے نہیں

بچوں کو تو انگریزی کپڑے پہنانے چاہئیں۔ میرا
مطلب یہ نہیں کہ ان کو انگریز بنا دو۔ بلکہ یہ غرض ہے کہ
انگریزوں کے بچوں کا لباس بالکل تندرستی کے موافق ہوتا ہے
اس وضع کو دیکھ کر اپنے بچوں کے لئے دیسی وضع ایجاد کرلی
چاہئے یعنی ایسی ہندوستانی وضع کے کپڑے بنائے۔ لیکن ایسے
کہ سردی گرمی کا بچاؤ ہو بچہ کے دوڑنے اچھلنے کودنے
میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ ہمارے ہاں ایسے ایسے لمبے لمبے

دامن بچوں کے رکھے جاتے ہیں کہ وہ بیچارا دوڑ نہیں سکتا حالانکہ یہ عمر اس کے بڑھنے اور اُچھلنے کودنے کی ہے اسی سے ان کی تندرستی قائم رہتی ہے؟

لویں میں نے تھوڑا تھوڑا مکان، کھانے، پینے، لباس کی نسبت لکھ دیا۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس پر غور کر کے اپنے لئے ایسی تجویزیں نکالو کہ تندرستی کو فائدہ بھی پہنچے اور اپنی پرانی دیسی وضع بھی برقرار رہے یہ نہیں کہ یا تو کچھ بھی نہیں اور یا ایک دم ایسے بڑھے کہ انگریز بن گئے جیسے آجکل بعض نئی روشنی والے ہوگئے ہیں۔

دیکھوں تم اس کی بابت کیا کہتی ہو؟

جواب ~ احمد صاحب! مکان کی احتیاط تو مردوں کے کرنے سے ہوگی عورتوں کو مکان کی نسبت زیادہ اختیارات حاصل نہیں ہیں، تاہم میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ عورتیں بالکل الگ ہیں۔ عورتوں کو فقط مشورہ میں دخل ہے پس عورتوں کو تو مشورہ ایسا دینا چاہئے مکان کے متعلق کہ صحت کے موافق ہو باقی دارومدار مردوں ہی پر ہے، رہے پانی، کھانا، لباس، ان چیزوں میں بے شک عورتوں کو دخل ہے۔

میں ہندوانی اور انگریزی کھانوں کو تو پسند کرتی نہیں۔۔ یہ کہوں کہ انگریزوں کے کھانے صحت کے موافق ہوتے ہیں ایسے ہی کھانے مسلمان بھی کھائیں

ٹال سکتا۔ مگر تاہم احتیاط کرنی ضروری ہے

انیسواں سبق (سرکار)

"پہلے اس کتاب کے جو چار ایڈیشن شائع ہوئے ان میں صرف اٹھارہ سبق تھے اور انیسواں سبق کانگریس اور مسلم لیگ تھا۔ مگر اب پانچویں ایڈیشن کے موقع پر ضروری معلوم ہوا کہ ملکی سیاست کی معلومات بڑھائی جائیں اور ترقی کرنی چاہئے تاکہ عورتیں اور لڑکیاں حالات ملک سے واقف ہو جائیں

اس نئے اضافہ میں خواجہ صاحب کے خیالات نہیں ہوں گے اور میں تو اپنی رائے سے کچھ لکھوں گا۔ کیونکہ اس اضافہ کا مقصد محض معلومات کی ترقی ہے، یہ نہیں ہے کہ عورتوں اور لڑکیوں کو کسی خاص خیال یا سیاسی عقیدہ کی طرف مائل کیا جائے یہی وجہ ہے کہ ہر فریق کے خیالات درج کئے گئے ہیں اور ان کے موافق یا خلاف کچھ نہیں لکھا گیا

چونکہ کتاب ہذا کی تعلیم بعض سکولوں میں لڑکیوں کو بطور درس کے پڑھائی جاتی ہے اس واسطے امید ہے کہ یہ سبق جو اب کے بڑھائے گئے ہیں ان کی معلومات کو بہت مفید ہوں گے اور وہ اخبارات کے سیاسی مباحث کو آسانی سے سمجھ سکیں گی"

ایک ملک تھا جس کا نام آریاورت تھا، اب اس کو

انگریزی میں گورنمنٹ اور عام محاورہ میں سرکار کہتے ہیں ہندوستان میں جس سرکار کی حکومت ہے اس کا نام انگریزی سرکار بھی ہے، اور اس کو برطانیہ بھی کہتے ہیں اور برٹش گورنمنٹ بھی اسی کا نام ہے۔

انگریزی سرکار کے بادشاہ لندن میں رہتے ہیں، جو ملکِ انگلستان کا پایہ تخت ہے، آجکل کے بادشاہ کا نام جارج پنجم ہے، وہ چھریرے بدن کے ہیں، ان کی آنکھیں بڑی بڑی اور کتابی چہرہ ہے، سُرخی مائل بھورے رنگ کی چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی رکھتے ہیں، ان کا قد درمیانہ ہے، ان کی بات بہت نرمی اور ملنساری کی ہوتی ہے، جب وہ بادشاہ نہ ہوئے تھے اور ولیعہدی کے زمانہ میں ہندوستان آئے تھے تو میں نے ان کو قریب سے دیکھا اور باتیں کی تھیں۔ وہ اُردو نہیں بول سکتے اور میں انگریزی نہیں جانتا۔ بیچ میں ایک انگریز میری اور ان کی باتوں کا مطلب کہتا جاتا تھا، جب وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار کے سامنے کھڑے ہوئے تو میں نے کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں دہلی کے مغل اور پٹھان شہنشاہ ادب سے اپنا سر زمین پر رکھدیا کرتے تھے میرے اس بیان کا مطلب سننے کے بعد اُنھوں نے اپنے سر سے ٹوپی اُتار دی اور کہا میں بھی ان مزار والے کا ادب کرتا ہوں

ان کی بیوی کا نام ملکہ میری ہے، وہ اپنے خاوند

سے قد میں بڑی معلوم ہوتی ہیں، ان کا بدن بھی چھریرا ہے اور ان کے چہرہ پر عادت سے زیادہ خوشی اور شادابی معلوم ہوتی ہے، ملکہ بھی بہت ملنسار اور ملنسار بیوی ہیں، رعیت کے ادنیٰ آدمیوں سے بھی بے تکلف ہوکر باتیں کرتی ہیں

انگریزوں کے بادشاہ کا فقط نام ہی نام ہے ورنہ اختیار سب وزیروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے، بادشاہ کی مورت سکہ میں اور ٹکٹ میں اور سرکاری کاغذات میں چھپتی ہے سب حکم احکام بادشاہ کے نام سے کئے جاتے ہیں لیکن وہ ملک کے کسی کام میں خواہ وہ چھوٹا ہو، یا بڑا کسی قسم کا بھی اختیار نہیں رکھتے، یہاں تک کہ ملک میں ایک آدمی کے نوکر رکھنے اور موقوف کرنے کی بھی قدرت ان میں نہیں ہے۔

یوں سمجھو کہ ایک گھر میں دس آدمی رہتے ہیں اور وہ سب ایک دادا کی اولاد ہیں، اور دادا صاحب زندہ ہیں اس لئے گھر کے اندر ایک اچھا کمرہ سجا ہوا ہے جہاں وہ بیٹھے ہوئے حقہ پیا کرتے ہیں۔ صبح اٹھ کر عورت، مرد، بچے، جوان، سب کے سب ان دادا صاحب کو سلام کر لیتے ہیں، اور گھر کے باہر جب کوئی غیر آدمی پوچھے کہ کیوں بھئی یہ گھر کس کا ہے تو سب ایک زبان ہوکر کہتے ہیں کہ دادا جان اس گھر کے مالک ہیں اور ہم سب ان کے تابعدار ہیں لیکن گاؤں کے اور مکانات کے کاغذات میں ابھی دادا

صاحب کا نام درج ہے، بازار سے خرید فروخت او
سب لین دین اسی دادا صاحب کے نام سے ہوتا ہے
غرض ایک دیکھنے والے اور سننے والے کو تو یہی دکھائی
دیتا ہے کہ یہ دادا صاحب ہی سارے گھربار اور مال بچوں
کے خود مختار مالک ہیں مگر حالت یہ ہے کہ اگر کسی دن دادا
میاں یہ کہیں کہ آج تو آلو کے سالن کو جی چاہتا ہے
تو سارا گھر کہہ دے گا کہ جناب ہم نے آپس میں صلاح
کر کے مقرر کر لیا ہے کہ ہفتہ کو چقندر۔ پکیں گے اتوار کو
سادہ قلیہ۔ پیر کو آلو کا سالن۔ منگل کے دن شلجم، بدھ کو
اروی۔ جمعرات کو پلاؤ اور قورمہ۔ جمعہ کو گوشت اور
پسندے۔ اور آج چونکہ منگل کا دن ہے اس واسطے
آلو نہیں پک سکتے۔ شلجم پکیں گے، اور وہی آپ کو
کھانے ہوں گے

دادا میاں یہ بات سن کر چپ ہو جاتے ہیں،
اور اپنے اختیار سے آلو کا سالن نہیں پکوا سکتے، کیونکہ
ان کے بچوں نے ہر ایک چیز کا ایک قاعدہ بنا دیا ہے اور
ان قاعدوں پر عمل کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھا ہے
تاکہ دادا میاں کسی بات میں کسی خاص آدمی کے ساتھ نہ
رعایت کر سکیں نہ رعایتی، نہ کیرا لیا دیا سب
بچوں کے اختیار میں ہے اگر دادا میاں کسی کو ایک پیسہ
انعام دینا چاہیں تو بچوں کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتے۔

غرض اُن کا کام یہ ہے کہ گھر کے مالک کہلائیں،
اچھی مہمانوں سے ملیں جُلیں اور اپنے بچوں کی تعریفیں
کریں، مگر گھر کے انتظام اور کاروبار میں رتی کے برابر
بھی دخل نہ دیں اور نہ بچوں کی کسی خطا کے خلاف کچھ
بولیں۔

انگریزوں کے بادشاہ سلامت کو خرچ کے لئے مہینہ
ملتا ہے۔ اسی میں وہ اپنے رہنے سہنے کھانے پینے کا بندو
بست کرتے ہیں ملک کے کاروبار اور روپیہ پیسہ میں
ان کا کچھ دخل نہیں ہے

پارلیمنٹ انگریزوں نے بادشاہت کرنے کے لئے ملک
کے ہر صوبہ اور شہر کو اختیار دیا ہے کہ اپنے کسی لائق
آدمی کو چُن لو جو تمہاری طرف سے بادشاہت میں کام
کرے چنانچہ وہ کچھ دنوں کے لئے ایک ایک آدمی
چھانٹ کر بادشاہت کرنے کو مقرر کر دیتے ہیں اور جس
صوبہ یا جس شہر یا جس پیشہ اور برادری کا وہ آدمی
ہوتا ہے اسے انتخاب کرنے والوں کی مرضی اور ضرورت
کے موافق بادشاہت میں رائے دیا کرتا ہے ان لوگوں
کی جماعت کو پارلیمنٹ کہتے ہیں اور جس مکان میں
بیٹھ کر یہ لوگ بادشاہی کے کاموں پر مشورے کرتے ہیں
اس کا نام ہوس آف کامنز یا دار العوام یا عام
آدمیوں کا گھر ہے۔

پارلیمنٹ کی دوسری قسم اور ہے اس میں بڑے بڑے امیروں اور نوابوں کے قائم مقام چھانٹے جاتے ہیں ان کے بیٹھنے اور کام کرنے کی جگہ کا نام ہؤس آف لارڈز یا امیروں کا مکان ہے ۔

پارلیمنٹ ان دونوں قسم کے ممبروں کو کہتے ہیں ، اور انہی کی رائے سے بادشاہت کے کام چلتے ہیں ۔

وزارت پارلیمنٹ میں سینکڑوں ممبر ہوتے ہیں اور ان سب کی کثرت رائے سے وزیر چنے جاتے ہیں۔ ہر ملک کا وزیر الگ ہوتا ہے۔ اور ہر کام کا وزیر بھی علیحدہ ہوتا ہے۔ مثلاً ہندوستان کا وزیر، مصر کا وزیر، یا تعلیم کا وزیر، لڑائی کا وزیر وغیرہ، ان سب وزیروں کے اوپر ایک بڑا وزیر ہوتا ہے جس کو وزیر اعظم کہتے ہیں اور اصل میں یہی وزیر اعظم سارے ملک کے سیاہ سفید کا مالک و مختار ہوتا ہے، مگر کسی بڑے کام کا وزیروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کی رائے کے خلاف کرنے کا اختیار اس کو نہیں ہے ۔

ہندوستان کی بادشاہی کا دستور یہ ہے کہ لندن میں ایک وزیر ہند رہتا ہے جو وزیر اعظم اور سب وزیروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کی رائے لے کر ایک انگریز کو پانچ برس کے لئے ہندوستان کا وائسرائے مقرر کر دیتا ہے۔ اور جب مقرر کر چکتا ہے

تو بادشاہ سلامت کو خبر دیتا ہے اور وہ نئے وائسرائے
کو سامنے بلا کر سلام لیتے ہیں پھر یہ وائسرائے ہندوستان
میں آجاتا ہے۔ اس کو بڑا لاٹ بھی کہتے ہیں اور گورنر
جنرل بھی اس کا لقب ہے۔ اور وائسرائے بھی اسی کو
کہتے ہیں۔

بڑا لاٹ گرمی میں شملہ پہاڑ پر رہتا ہے اور سردی
میں دہلی شہر کے اندر چلا آتا ہے۔ اس لاٹ کی بھی ایک
کونسل ہوتی ہے جس میں انگریز اور ہندوستانی کام کرتے
اور لاٹ صاحب کو صلاح اور مشورے دیتے ہیں

ان لاٹ صاحب کے ہاتھ تلے بہت سے صوبے ہیں۔
اور ہر صوبہ کا ایک حاکم ہوتا ہے جس کو گورنر کہتے ہیں۔
اور ہر گورنر کی بھی ایک کونسل ہوتی ہے جس میں انگریز اور
ہندوستانی کام کرتے ہیں۔ ہر صوبہ میں کئی کمشریاں ہوتی
ہیں ایک کمشنری میں کئی ضلعے ہوتے ہیں اور کئی ضلعوں کے
حاکم کو کمشنر کہتے ہیں اور ایک ضلع کے حاکم کو کلکٹر اور ڈپٹی
کمشنر کے نام سے پکارتے ہیں۔

فوج کے بڑے لاٹ کو کمانڈر انچیف کہتے ہیں اسکے
ماتحت بہت سے جرنیل کرنیل ہوتے ہیں۔ فوج کے بڑے
عہدے انگریزوں ہی کو دیے جاتے ہیں۔ اور توپ خانہ بھی
انگریزی فوج کے پاس رہتا ہے۔

میونسپل کمیٹی ہر ضلع اور بڑے قصبہ میں انگریزوں نے

قاعدہ بنایا ہے کہ دیسی باشندے اپنی طرف سے چند آدمی منتخب کرتے ہیں جو اپنے شہر اور آبادی کے محصول کی آمدنی اور صفائی و روشنی و تعلیم و شفا خانہ و پولس وغیرہ کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کا نام میونسپل کمیٹی ہے اور اسکی صورت لندن کی شاہی پارلیمنٹ کی سی ہوتی ہے۔

کونسلیں

ابھی حال میں انگریزوں نے کونسلیں بنائی ہیں جن میں ہندوستان کے دیسی لوگ عام باشندوں کی رائے سے چنے جاتے ہیں، اور بڑے لاٹ یا چھوٹے گورنروں کے پاس بیٹھ کر صلاح مشورے دیتے ہیں اور اپنے ملک کی ضرورتوں کو سرکار کے سامنے پیش کرتے ہیں ان میں بعض بڑے لاٹ اور چھوٹے گورنروں کے وزیر کہلاتے ہیں۔

انگریزی سرکار ہندوستان میں کب سے ہے

اکبر شاہ بادشاہ کے زمانہ میں پہلے پہل انگریز اس ملک میں آئے اور مسافروں اور سوداگروں کی طرح کہیں کہیں رہنے لگے پھر جہانگیر بادشاہ اور شاہجہاں کے زمانہ میں ان کا بیوپار ترقی کرنے لگا تو انھوں نے بنگالہ میں تجارتی کوٹھی بنانے کی اجازت بادشاہ سے حاصل کر لی۔ اور اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے بعد جب مغل بادشاہت کمزور ہونے لگی اور ہندو مرہٹے باغی ہوگئے تو انگریز دکانداروں نے فوج نوکر رکھی اور ہندوستان کی خانہ جنگی میں دخل دینے لگے۔ اس وقت ان کی دکان کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی تھا۔ جس کے معنی ہیں

ہندوستان کے پورب کی طرف والی دکاندار جماعت ہندوستان
کے نوابوں اور ہندو ریاستوں اور بادشاہ دہلی کے آپس میں
جب فساد بہت بڑھا تو انگریزوں کی اس کمپنی نے ایک
دوسرے کی مدد کرکے اپنا بڑا اثر جمالیا اور بڑی بڑی
ہزار فوجیں نوکر رکھ لیں۔ یہاں تک کہ شاہ عالم بادشاہ کے
زمانہ میں انھوں نے بادشاہ سے تمام ہندوستان کی وزارت
اپنے نام لکھوالی اور بادشاہ کو اپنا تنخواہ دار بناکر دہلی میں
بٹھادیا اور ان کے نام سے خود سارے ملک پر حکومت کرنے
لگے۔ لیکن اس وقت تک سکہ اور سرکاری کاغذات میں
ایسٹ انڈیا کمپنی کا نام لکھا جاتا تھا۔ انگلستان کے بادشاہ کا
نام نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ شاہ عالم کے پوتے بہادر شاہ بادشاہ
تخت نشین ہوئے اور ان کے زمانہ میں انگریزی فوج جس میں
ہندوستان کے ہندو مسلمان دونوں تھے انگریزوں سے باغی
ہوگئی اور ۱۸۵۷ء کا وہ مشہور ہنگامہ ہوا جس کو غدر کہتے ہیں
غدر میں پہلے پہلے تو انگریزوں کو بہت مشکلیں پیش آئیں مگر
پنجاب کے مسلمانوں اور سکھوں کی مدد سے انگریزوں نے
باغیوں کو مغلوب کرلیا اور دہلی ان کے قبضہ سے نکال لی
اور بہادر شاہ بادشاہ کو بھی گرفتار کرلیا جن کو باغی فوج
نے زبردستی اپنا بادشاہ بنالیا تھا۔

اس قصہ کے بعد ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا
نام سکہ اور سرکاری کاغذات سے نکل گیا اور ملکہ وکٹوریہ انگلستان

کی بادشاہ ہندوستان کی مالک بنائی گئیں اور ان کے نام کا سکّہ چلنے لگا۔

ملکہ وکٹوریہ کے بعد ان کے بیٹے ایڈورڈ ہفتم بادشاہ ہوئے اور اُنکے بعد اُنکے بیٹے جارج پنجم ہوئے جو آج تک موجود ہیں۔

انگریزی سرکار کے زمانہ کی ترقیاں انگریزوں کے زمانہ میں ہندوستان میں ریل بنی، موٹریں نکلیں، تار برقی کے ذریعہ خبریں آنے جانے لگیں، ڈاکخانوں کا انتظام ہوا، شفاخانے جاری ہوئے۔ پولیس نئے قواعد سے رکھی گئی۔ اسکول اور کالج کھلے۔ سڑکیں بنائی گئیں، نہریں کھودی گئیں۔ ٹیلیفون اور بے تار کی تار برقی کا رواج ہوا اور طرح طرح کے کپڑے اور خوبصورت سامان ولایت سے یہاں آنے لگا۔

تجارت کو ترقی ہوئی۔ شہروں کی آبادیاں بڑھ گئیں، بمبئی، کلکتہ، رنگون، کراچی کے شہر بڑے شاندار ہوگئے، جہاں کروڑوں روپئے کا لین دین ہندوستانی کرنے لگے اور جہازوں کی آسانی کے سبب ہزاروں آدمی دنیا کی سیر کرنے گئے۔ تجارتیں دور دور قائم کیں اور مالامال ہوگئے۔

دنیا میں سب سے بڑے بادشاہ انگریزی سرکار دنیا کی سب سے بڑی بادشاہت ہے اس کی برابر آج کل کسی کے پاس ملک نہیں ہیں انگریزوں کے پاس یورپ

ایشیا اور افریقہ کے بڑے بڑے ملک ہیں اور مصر و ہندوستان کے قصہ کے سبب تو ان کی دھاک سارے جہان میں ہے

ان کے پاس فوج تو بہت زیادہ نہیں ہے مگر روپیہ اور سامانِ جنگ بے شمار ہے اور اسی کی قوّت سے وہ ساری دنیا کو دبوچے بیٹھے ہیں۔

انگریز کیسے ہوتے ہیں؟

ان کا رنگ بہت گورا ہوتا ہے ان کے مرد اکثر ڈاڑھی مونچھ منڈاتے ہیں۔ ان کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں وہ بہت چوڑے چکلے موٹے تازے نہیں ہوتے مگر پھرتی مستعدی اور عقل ان میں بہت ہوتی ہے وہ ہندوستان میں مسافروں کی طرح آتے ہیں اور حکومت کی نوکری کرکے پھر اپنے ملک کو چلے جاتے ہیں، وہ ہندوستان میں عام باشندوں سے الگ اپنے گھر بناتے ہیں اور دیسی لوگوں سے زیادہ میل جول نہیں بڑھاتے

انگریز مرد اور عورتیں بہت صاف ستھرے، وعدہ کے پابند اور بات کے پکے ہوتے ہیں اور ذاتی دوستی میں بڑے مخلص ثابت ہوتے ہیں۔ مگر حکومت کے معاملات میں دوستی اور مروت کو بالائے طاق رکھدیتے ہیں، اور مصلحت ملکی کی خاطر بڑے بڑے جھوٹ بولنے اور وعدہ خلافی کرنے کو بھی جائز قرار دے لیتے ہیں

انگریزوں کی قوّت کا راز

انگریزوں کی اتنی بڑی

بادشاہت جو لاکھوں میل کے اندر پھیلی ہوئی ہے ایسی
مضبوط معلوم ہوتی ہے کہ کوئی شخص اس کو شکست دینے
کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کا راز یہ ہے کہ ہر انگریز اپنے
آپ کو بادشاہ سمجھتا ہے، اور بادشاہت کا نوکر سمجھ کر نہیں
بلکہ اپنا کام سمجھ کر نوکری انجام دیتا ہے، اور ان کے آپس
میں اس قدر اتفاق ہے کہ اگر ایک نہایت ادنیٰ درجہ کا
انگریز کوئی حق یا ناحق بات کہہ دے تو پھر ضلع کا کلکٹر
اور صوبہ کا گورنر اور ملک کا بڑا لاٹ اور لندن کا وزیر
ہند اور وزیر اعظم اور بادشاہ سلامت تک سب ایک
زبان ہو کر اس انگریز کی تائید کرنے لگیں گے اور اسی کو
سچا کہیں گے، اور سچا مانیں گے، چاہے ساری دنیا ایک
طرف ہو کر مخالفت کرے، مگر انگریزی نسل کا کوئی آدمی اپنی
رائے نہ بدلے گا۔

انگریزی سرکار انسان کے جسم کی طرح بنی ہوئی ہے
کہ جس بدن کے کسی حصہ میں سوئی چبھ جائے تو سارا جسم
خبردار ہو جاتا ہے، ہاتھ اس کو نکالنا چاہتے ہیں، دماغ
نکالنے کی تدبیر میں مصروف ہو جاتا ہے، زبان سوئی کو
برا بھلا کہنے لگتی ہے دل سوئی کے زخم کو اچھا کرنے کی
طرف مصروف ہو جاتا ہے۔ گویا سارے بدن کی مشین پوری
توجہ سے ایک کام کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے

یہ بات دنیا کی اور کسی قوم میں نہیں ہے ہر جگہ آپس

کے اختلافات ہوتے ہیں خصوصًا ہندوستان میں تو بھائی کا بھائی دشمن اور باپ کا بیٹا حریف بنا ہوا ہے۔

انگریز بظاہر بہت روکھے اور اکل کھرے اور مغرور معلوم ہوتے ہیں مگر کام نکالنے کے وقت وہ ایسے ملنسار اور خلیق بن جاتے ہیں کہ کوئی میٹھے مزاج کا آدمی ان کی برابری نہیں کرسکتا۔

سب سے بڑی قوت ان کے طرز حکومت کی ہے۔ جو نہ صرف تلوار کے زور پر ہے، نہ صرف روپئے کے بل پر، نہ صرف علم و عقل کے بھروسہ پر۔ بلکہ ان سب طاقتوں کو ملا جلا کر انھوں نے ایسی بادشاہت کا قاعدہ بنایا ہے۔ ان کو ایسے توڑ جوڑ کرنے آتے ہیں کہ دنیا میں کوئی قوم ان کی حکمت عملی کا مقابلہ نہیں کرسکتی، وہ خیالات کی رگوں میں خون کی طرح گھس جانا اور تیرنا پھرنا جانتے ہیں۔ وہ بڑے حلیم اور بردبار ہیں۔ سارا جہان برا بھلا کہتا رہے وہ کسی کی پروا نہیں کرتے، اور اپنا کام کئے جاتے ہیں۔

وہ سو برس آیندہ کی بات کو سوچ کر پہلے سے بندوبست شروع کر دیتے ہیں اور ان کی حکومت کے پنجہ میں ایسی گرفت ہے کہ جو ایک دفعہ اس میں آجائے پھر چھوٹ نہیں سکتا۔

ان کے زمانہ میں ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں

کسی ریاست کو سرکشی کا خیال بھی نہیں آیا حالانکہ پہلے بادشاہوں کے وقت میں ہر سال کوئی نہ کوئی امیر اور راجہ نواب ضرور بغاوت کیا کرتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے بغاوت کے تمام اسباب اور ساز و سامان کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور کسی ریاست کو اتنا خود مختار نہیں کیا جو وہ کبھی سرکشی کر سکے۔

انگریز بہت عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں مگر نوکری اور حکومت کے کام کو وہ کبھی نہیں بھولتے۔ اس سے ہر وقت ہوشیار رہتے ہیں۔ اور اگر کسی سے غفلت ہو بھی جائے تو دوسرے انگریز جلدی سے اسکے کام کو درست کر دیتے ہیں اور اس خرابی کی خبر عام طور سے مشہور نہیں ہونے دیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ایک انگریز کی بدنامی بھی اس غیر ملک میں ہوئی تو ہم سب بدنام ہو جائیں گے اور اس سے ہمارا وقار اور رعب جاتا رہے گا جو بادشاہت کی روح اور زندگی کا سامان ہے۔

انگریزوں کی قوت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہ باوجود دیسی لوگوں سے علیحدہ رہنے کے ان کی اندرونی باتوں سے ہر وقت خبردار رہتے ہیں اور ان کی نظر ہر ہندوستانی کے دل پر جمی رہتی ہے، جہاں کسی میں شور آیا اور وہ چونکے اور فوراً اس کا بند و بست اور انتظام شروع کر دیا۔

یہ ہے انگریزی سرکار کی تھوڑی سی مگر تمام سروری

معلومات کا خلاصہ:

بیسواں سبق (سوراج)

ایک سبق سرکار کا۔ دوسرا سبق سوراج کا۔ سرکاری سبق کی باتیں سن لیں۔ اب رعیت کے سبق سوراج کا حال سننا چاہئے

سوراج ہندی لفظ ہے۔ اس کے معنی اپنی بادشاہت کے ہیں۔ جب ۱۸۵۷ء کا غدر ختم ہوگیا۔ مغلوں کے آخری بادشاہ قید کرکے رنگوں بھیج دیے گئے اور انگریزوں کا سارے ملک میں خوب اچھی طرح دخل ہوگیا تو دہلی کے سرسید احمد خاں نامی ایک شخص نے مسلمانوں کے لئے علی گڑھ میں انگریزی تعلیم دینے کو ایک کالج بنایا اور جگہ جگہ دورے کرکے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ اب انگریزوں سے سرکشی کا خیال چھوڑ دو اور انگریزی پڑھو تاکہ بادشاہت میں تم کو اچھی اچھی نوکریاں ملیں، چنانچہ ہندوستان کے سب روپیہ والے مسلمان سید صاحب کے ساتھ ہوگئے اور اپنی اولاد کو انگریزی پڑھانے لگے۔

اس زمانہ میں ہندوؤں نے ایک انجمن بنائی جس کا نام کانگریس رکھا، اس انجمن کے جلسے میں ہندو جمع ہوکر یہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کو ہتھیار رکھنے کی اجازت ملنی چاہئے، اور چونکہ ملک ہندوستانیوں کا ہے اس واسطے

اس کی بادشاہت میں بڑے بڑے عہدے ہندوستانیوں کو ملنے چاہئیں۔

جب یہ انجمن قائم ہوئی تو سرسید احمد خاں نے اس کی مخالفت کی اور مسلمانوں سے کہا کہ تم ہندؤں کی کانگریس سے الگ رہو، کیونکہ تم غدر میں تباہ ہو چکے ہو اور تم ہی پر انگریزوں کا بڑا استبہ ہے، اور تم علم اور گنتی اور دولت میں ہندؤں سے کم ہو اس واسطے تمھارا انگریزوں کے ہی ساتھ رہنا مفید ہے۔

مسلمانوں نے سرسید کی نصیحت پر عمل کیا اور سب کانگریس سے علیحدہ رہے۔ اور انگریزوں نے ہندؤں کی کانگریس سے کہدیا کہ چونکہ ملک کا بہت بڑا گروہ مسلمانوں کا تمھارے ساتھ نہیں ہے اس واسطے ہم تمھاری درخواست کو قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ ہماری بادشاہت کا قانون یہ ہے کہ جب رعیت کے سب لوگ اتفاق کرکے بادشاہ سے کچھ طلب کریں تو بادشاہ کو اس کا پورا کرنا ضروری ہوجاتا ہے، اب چونکہ تم اکیلے ہو اور مسلمانوں کا تم سے اتفاق نہیں ہے اس واسطے ہم تم کو کچھ نہیں دے سکتے۔

سرسید کا انتقال ہوگیا تو نواب محسن الملک ان کے جانشین ہوئے اور انھوں نے بھی سرسید کی رائے پر عمل کیا اور مسلمانوں کو کانگریس میں شریک نہ ہونے دیا۔

ان کے بعد نواب وقار الملک گدی نشین ہوئے۔سرسید

شروع میں وہ بھی سرسید کی طرح کانگریس سے الگ رہے مگر آخر میں مرنے کے قریب انھوں نے زمانہ کا رُخ اور مسلمانوں کی ضرورت دیکھکر حکم دے دیا کہ مسلمانوں کو کانگریس میں شریک ہونا چاہئے۔

ان کے انتقال کے بعد نواب محمد اسحاق خاں جانشین ہوئے اور انھوں نے پھر سرسید کی قدیمی رائے کو زندہ رکھنا چاہا مگر مسلمان کانگریس کی طرف جھک چکے تھے کسی نے ان کا کہنا نہ مانا یہاں تک کہ آخر میں خود نواب صاحب بھی مسلمانوں کے ہم خیال ہوگئے۔

سنہ ۱۹۱۱ء میں اٹلی سے طرابلس کے عربوں اور ترکوں کی لڑائی ہوئی اور مسلمانوں نے انگریزی بادشاہت کو الزام لگایا کہ وہ خفیہ طور سے اٹلی کی مدد کرتی ہے اس واسطے ان میں بہت جوش پیدا ہوگیا، اور وہ کُھلم کُھلا انگریزوں کو بُرا کہنے لگے۔

سرسید کے کالج کے پڑھے ہوئے دو بھائی جو رامپور کے رہنے والے ہیں اور جن کا نام شوکت علی اور محمد علی ہے مسلمانوں کے رہنما بن گئے اور ان کو اپنا حق مانگنے کے لئے اُبھارنے لگے۔ سرکار نے ان دونوں کو قید کردیا اسی اثنا میں جنگ یورپ شروع ہوئی اور انگریزوں کے وزیر اعظم لائڈ جارج نے کہا کہ ترک ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہوئے ہیں مگر یہ لڑائی ملکی ہے مذہبی نہیں ہے اور

ہم اگر جیت گئے تو ترکوں کا ملک ان کو واپس دے دینگے
اور یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کے جس قدر مذہبی مقامات
مکہ، مدینہ، بیت المقدس، کربلا وغیرہ ہیں ان پر ہم یا ہمارے
ساتھی بادشاہ قبضہ نہ کریں گے۔ اور ان کی بے حرمتی نہ
ہونے دیں گے۔

وزیر اعظم کا یہ بیان سنکر لاکھوں مسلمان فوج میں
بھرتی ہوگئے اور انگریزوں کے ساتھ ہوکر ترکوں اور
جرمنوں سے لڑے۔ یہاں تک کہ انگریز ان کی مدد سے
لڑائی جیت گئے۔

جب لڑائی ختم ہوگئی تو انگریزوں نے بغداد شریف
کربلا شریف اور نجف اشرف اور بیت المقدس پر کھلم
کھلا قبضہ کرلیا اور مکہ مدینہ پر اپنے دوست شریف مکہ
کے ذریعہ سے نگرانی قائم کرلی جو ترکوں سے باغی ہوکر
انگریزوں سے مل گیا تھا۔ یہ حالت دیکھکر مسلمانوں نے
شکایت کی اور وزیر اعظم کا وعدہ یاد دلایا، مگر وزیر اعظم
ہنس کر چپ ہوگئے اور وعدہ کے پورا کرنے کا ارادہ
ظاہر نہ کیا

اسی زمانہ میں ہندوستان کے ہندوؤں نے شور کیا
کہ ہم نے بھی لڑائی میں سرکار کی مدد کی ہے اس واسطے
ہندوستان کو آزادی ملنا چاہیے

ہمارے مسلمانوں کا یہ حق [illegible]

شاید یہ ایک قانون بنانے کی تجویز کی جس کی مدد سے شورش اور فساد کرنے والوں اور سرکار سے حق مانگنے والوں کی زبان بند کرنے کا ارادہ تھا اس قانون کا نام رولٹ ایکٹ تھا۔ یعنی رولٹ صاحب کے نام سے ایکٹ (قانون) بنانے کی تجویز ہوئی (رولٹ ایک مشہور انگریز کا نام ہے)

بڑے لاٹ صاحب کی کونسل میں جتنے ہندو مسلمان ممبر تھے اُن سب نے اس قانون کی مخالفت زور شور سے کی مگر انگریز ممبروں کی زیادتی کے سبب زیادہ رائیں سرکار کے موافق ہوگئیں اور قانون پاس ہوگیا۔

مسٹر گاندھی نے یہ سُنا تو اُنھوں نے اعلان کیا کہ لوگ اس قانون کے خلاف اپنا رنج اور غصہ ظاہر کرنے کو ہڑتال کردیں اور ایک دن روزہ رکھیں۔ لوگوں نے ان کے کہنے پر عمل کیا اور ہڑتال کی حالت میں دہلی کے اندر فساد ہوگیا اور سرکاری پولیس نے رعیت پر گولیاں چلائیں جس سے لوگ مرے اور زخمی ہوئے، دہلی کی خبر لاہور و امرتسر میں گئی تو وہاں بھی فساد ہوا اور امرتسر میں کچھ انگریز بھی مارے گئے۔ اور ایک جنرل ڈائر نامی ایک انگریز نے جلیانوالہ باغ میں جہاں ہزاروں آدمی جلسہ کر رہے تھے چاروں طرف سے گھیر کر قتل عام کردیا۔ اور سینکڑوں آدمی گولیوں سے مار ڈالے اور باقی شہر والوں پر

طرح طرح کے ظلم کئے اور اُن کو سانپ کی طرح زمین پر
لیٹ کر راستہ چلوانے پر مجبور کیا

لاہور، قصور، گوجرانوالہ، احمدآباد وغیرہ مقامات
پر بھی بہت سخت فساد ہوئے اور گولیاں چلیں اور ہوائی
جہازوں سے گولے برسا کر عوام کو قتل کیا گیا۔

اِن واقعات سے پہلے تو ایک خوف طاری ہوا۔ اسکے
بعد مسٹر گاندھی کے ہمت بندھانے سے حالت پھر کھڑی ہوگئی
اور اس نے سرکار کے خلاف جلسے کرنے شروع کئے

اب مسٹر گاندھی مہاتما گاندھی کہلانے لگے تھے اور ہندو
مسلمان دونوں ان کو ٹراما نتے تھے مہاتما گاندھی نے دو
باتوں پر زور دینا شروع کیا۔ ایک تو یہ کہ مسلمانوں کا مسئلہ
خلافت ان کے حسب منشا طے ہو۔ اور مقامات مقدسہ
مسلمانوں کو واپس دیدیئے جائیں اور دوسرے یہ کہ
پنجاب وامرتسر میں جن افسروں نے ظلم کئے ہیں ان کو سزا
دی جائے

بس انہی دو باتوں کا کئی سال مل رہا اس کے بعد
مہاتما گاندھی نے کہا کہ جب تک ہم کو سوراج نہ ملے گا،
انگریز ہماری کسی بات کو پورا نہ کریں گے چنانچہ اب وہ
سوراج لینے پر تلے ہوئے ہیں، اور خلافت و پنجاب کے
معاملات کو سوراج حاصل کرنے کے ماتحت کر رہا ہے اس
معاملہ میں ہندو اُن سے زیادہ مسلمان ان کی مدد کر رہے ہیں۔

اور مسلمانوں کے دو بڑے لیڈر (رہنما) شوکت علی محمد علی اور
تمام علماء مہاتما گاندھی کے ساتھ ہوگئے ہیں ۔

سوراج یہ اوپر بتایا گیا ہے کہ سوراج کے معنی اپنی بادشاہت
کے ہیں۔ اپنی بادشاہت قائم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ
ہندوستان کی سب آبادی ہندو مسلمانوں کے ہاتھ میں آجائے اور
انہی کی راستے سے حکومت ہو۔ اور ہندوستان کی فوج بھی
ہندوستانیوں سے ملی ہو۔ انگریز اس ملک کے بس ایسے
بادشاہ رہیں جیسے ان کے بادشاہ جارج پنجم ہیں کہ سب
اختیارات پارلیمنٹ اور وزیروں کے ہاتھ میں ہیں اور نام
بادشاہ کا ہے۔ مہاتما گاندھی بھی یہ چاہتے ہیں کہ سارا اختیار
تو ہمارے ہاتھ میں ہو اور انگریز نام کے بادشاہ رہیں ۔

انگریزوں سے لڑائی مہاتما گاندھی جانتے ہیں کہ
انگریزوں سے لڑنا بالکل ناممکن ہے اور لڑائی کے بغیر وہ
بادشاہی کے اختیار ہم کو نہ دیں گے اس واسطے اصولوں سے
انہوں نے ایسی حکمت ایجاد کی ہے کہ ہتھیار اور خون بہانے کی
لڑائی نہ لڑنی پڑے اور انگریزوں کا ساتھ چھوٹ جائے اور
وہ حکمت یہ ہے کہ انگریزی کپڑے کا بائیکاٹ کر رہے ہیں
تاکہ ہندوستانی اپنے ملک کا بنا ہوا کپڑا پہنیں اور ساٹھ
کروڑ روپیہ سالانہ جو کپڑے کی قیمت کا انگریزوں کے ملک
میں جاتا ہے وہاں سے کپڑا بن کر آتا ہے وہ یہاں رہ جائے
اور انگریزوں کے گھر کی دولت کم ہو جائے میں کے رستے

۔۔ ہم پر حکومت کرتے ہیں۔
مہاتما گاندھی کا خیال ہے کہ اگر سارا ملک انگریزی کپڑے اور انگریزی سامان کو بائیکاٹ (ترک) کر دے گا تو چند روز میں انگریزوں کی طاقت کمزور ہو جائیگی ، اور ہندوستانی دولتمند بن جائیں گے ، اس کے بعد انگریزوں کی بادشاہت رفتہ رفتہ ہمارے قبضہ میں آجائے گی

خلافت رسولِ خدا صلعم کے بعد ان کے چار خلیفہ ہوئے اس کے بعد بنی اُمیہ اور بنی عباس کے بادشاہوں کو خلیفہ کہنے لگے ، اور اب ترکوں کے سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں۔
مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں ان کا ایک خلیفہ ضرور ہونا چاہئے جس کے پاس ملک بھی ہو اور وہ مکہ ، مدینہ اور بیت المقدس کی حفاظت بھی کر سکے۔
چونکہ ترکوں کے سلطان آجکل انگریزوں کی حراست میں ہیں اور ان کا بہت بڑا ملک انگریزوں کے قبضہ میں ہے اس واسطے تمام دنیا کے مسلمان ایک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہمارے خلیفہ سلطان ترکی کو رہائی دو اور ہمارے مقدس مقامات سے قبضہ اٹھا لو۔ اس بحث کو خلافت کی بحث کہتے ہیں

مہاتما گاندھی ہندو بنیا ہیں ، گجرات ، کاٹھیاواڑ کے رہنے والے ہیں ، پہلے افریقہ کے ملک میں بیرسٹری کرتے تھے ۔۔۔ تارک دنیا اور فقیر ۔۔۔ احمد آباد میں

رہنے لگے ہیں ۔

بہت دبلے اور چھوٹے سے قد کے آدمی ہیں، پچاس برس کے قریب عمر ہے کتابی چہرہ ہے، آواز بڑی ہے گاڑھے کا کرتہ اور دھوتی اور گاڑھے کی کشتی نما ٹوپی اوڑھتے ہیں، ان کی بیوی بھی اسی لباس میں ہیں اور ان کے ساتھ کام کرتی ہیں ۔

شوکت علی محمد علی رامپور ریاست کے رہنے والے ہیں شوکت علی بہت موٹے، بہت لمبے اور دیو کی شکل و صورت کے ہیں، گاڑھے کا کوٹ، گاڑھے کا پاجامہ، اور گاڑھے کی ترکی ٹوپی پہنتے ہیں

محمد علی بھی خوب موٹے تازے ہیں مگر اپنے بڑے بھائی سے کم۔ یہ بھی یہی لباس رکھتے ہیں۔ لندن میں تعلیم پائی ہے اور مسلمانوں میں سب سے اچھی انگریزی زبان بولتے اور لکھتے ہیں

یہ دونوں اور مہاتما گاندھی ہندوستان کے سب سے بڑے لیڈر ہیں اور ان کے علاوہ سیکڑوں ہزاروں چھوٹے لیڈر ہیں۔ جن میں سے کچھ قید ہیں اور کچھ آزاد ہیں،

اس تحریر کے وقت جو وسط ستمبر ۱۹۲۱ء میں ہو رہی ہے خبر آئی کہ شوکت علی محمد علی کو دوبارہ گرفتار کیا گیا ہے اور ان پر مقدمہ چلا کر قید کیا جائیگا،

نرم و گرم پارٹیاں ہندوستان میں دو قسم کے آدمی

ہیں ایک ماڈریٹ یعنی نرم مزاج کہلاتے ہیں، دوسرے
اکسٹریمسٹ یعنی گرم خیالات والے مشہور ہیں، ان دونوں
کا مقصد تو ایک ہی ہے یعنی ہر ایک ہندوستان کی آزادی
اور سوراج چاہتا ہے مگر کام کرنے میں فرق ہے، نرم
مزاج والے ادب سے مانگتے ہیں اور گرم خیال والے نرمی
اور ادب کو بالائے طاق رکھکر صاف صاف کہتے ہیں
کہ انگریز نرمی سے کچھ نہ دینگے اور آزادی و خود مختاری
جیسی قیمتی چیز کوئی شخص بھی میل جول اور خاطر
خوشامد سے نہیں دیا کرتا۔ یہ تو زور اور طاقت سے حاصل
ہوتی ہے۔ جب تک ہم دبتے رہیں گے انگریز ہم کو
دباتے چلے جائیں گے اور جب ہم بہادری سے سامنا
کریں گے تو ہم کو ہمارا حق مل جائے گا۔

گرم فریق سیکڑوں الزام انگریزوں پر لگاتا ہے
اور اس کی سزا میں ان کے اخبار ضبط کیے جاتے ہیں
ان کو جیل خانوں میں قید کیا جاتا ہے پھر بھی وہ اپنی
سخت کلامی سے باز نہیں آتے۔

ان کا کہنا ہے کہ ہم ہندوستانی ۳۳ کروڑ ہیں اور
انگریز اس ملک میں پانچ لاکھ سے بھی کم ہیں اگر ہم
ان پر خاک کی ایک ایک چٹکی ڈالیں تو وہ سب کے
سب دب جائینگے، اگر ہم [illegible] کریں
تو ہمارا [illegible] کہ انگریز اس [illegible]

کر مر جائینگے۔

ان کا یہ بھی الزام ہے کہ انگریز انصاف کا دعوے
کرتے ہیں مگر آج تک انھوں نے ہندوستان میں کسی
انگریز کو پھانسی کی سزا نہیں دی، حالانکہ ان کے ہاتھ سے
ہزاروں ہندوستانی مارے گئے، اور وہ ہمارے ملک
کی تمام پیداوار اپنے ملک کو لے جاتے ہیں جس کے سبب
اتنی گرانی ہو گئی ہے کہ چار سیر کا آٹا بکتا ہے حالانکہ پہلے
زمانہ میں چار من کا بکتا تھا۔ انھوں نے ہمارے ہر قسم
کے کاروبار کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور اسی ملک کی
بنی ہوئی کلیں یہاں بیچ دی ہیں تاکہ ہم ان کے محتاج
رہیں، وہ فوج اور ملک کے اعلیٰ عہدوں پر کسی
ہندوستانی کو مقرر نہیں کرتے اور ہمارے ملک کا روپیہ
اپنی قوم کو کھلاتے ہیں وہ ہم کو ذلیل وحشی سمجھتے ہیں
اور کالا آدمی کہہ کر بات کرتے ہیں۔

غرض اسی قسم کے بے شمار الزام انگریزوں پر
لگائے جاتے ہیں۔ اور نرم ورق والے کہتے ہیں کہ اپنے
بادشاہ سے اس قسم کی شوخی اور سختی نہ کرنی چاہیئے،
کوئی اور بادشاہ ہوتا تو ایسی باتیں کہنے والوں کو آگ
میں جلا دیتا یا دریا میں ڈبو دیتا۔ انگریز ہی ہیں کہ سنتے
ہیں اور چپ ہو جاتے ہیں۔

نمائش کو اپریشن | مہاتما گاندھی کی لڑائی کے ہتھیار کا نام

مان کو ایریش ہے جس کو ترک موالات بھی کہتے ہیں اور
عدم تعاون بھی کہا جاتا ہے اور قطع تعلق بھی اسی کو کہتے ہیں
اور سکھوں نے نامل ورتن اس کا نام رکھا ہے۔

اس کا حاصل مقصد یہ ہے کہ سرکار سے اس کی رعیت
ملک کے کام کاج میں کوئی تعلق نہ رکھے اسی واسطے مہاتما
گاندھی چاہتے ہیں کہ سرکار کے دیے ہوئے خطابات چھوڑ دیے
جائیں اور سرکار کی نوکریاں ترک کر دی جائیں اور سرکاری
مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کوئی نہ جائے غرض ہر وہ چیز جس میں
سرکار کا تعلق ہو چھوڑ دی جائے جیسے بچے آپس میں کھیلتے کھیلتے
کسی بات پر لڑنے لگتے ہیں تو ایک دوسرے سے کہتا ہے۔ کُٹّی کُٹّی
کہتے وقت ہر لڑکا ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن دانتوں پر رکھ کر زور
سے اوپر کو جھٹکا دیتا ہے گویا یہ حرکت علامت ہوتی ہے اس کی
کہ اب یہ دونوں آپس میں مل کر نہ کھیلیں گے اور ان کی یاری
اور دوستی کٹ گئی

مہاتما گاندھی پولس اور فوج سے بھی نوکری چھوڑنے
کا تقاضا کرتے ہیں اور خلافت کے علماء نے بھی سرکاری خصوصاً
پولس اور فوج کی نوکریاں ترک کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔

گاندھی جی یہ بھی کہتے ہیں کہ شراب اور نشہ کی ہر چیز
کو ترک کر دینا چاہئے اور ولایتی سامان نہ خریدنا چاہئے۔ اسلئے
واسطے انھوں نے ہر شہر اور قصبہ میں والنٹیر مقرر کئے ہیں
جو بغیر تنخواہ کے محنت میں اپنی خوشی سے ملک کی نوکری

کرتے ہیں اور آج کل ان کا کام یہ ہے کہ شراب کی دکانوں
پر پہرہ لگائیں اور جو آدمی شراب خریدنے جائے اسکو عاجزی
اور نرمی سے منع کریں۔ یہ پہرے کپڑے کی دکانوں پر بھی لگائے
جاتے ہیں تاکہ کوئی بزاز ولایتی کپڑا فروخت نہ کر سکے ؛

سرکار نے ان باتوں کو خلاف قانون قرار دیا ہے اور
اسی بنا پر ہزاروں آدمی گرفتار ہو رہے ہیں۔ مولانا شوکت علی
محمد علی کو دو دو سال کی قید ہو گئی ہے، اور پنڈت موتی
لال نہرو اور سی آر داس اور مولانا ابوالکلام اور دوسرے
سینکڑوں لیڈر قید کر دیے گئے ہیں، اس پر مہاتما گاندھی نے ایک
دوسرا حملہ تجویز کیا ہے اور اس کا نام قانون شکنی ہے، قانون شکنی
ابھی ہر جگہ عام نہیں ہوئی ہے صرف مدراس کے ایک علاقہ میں
اس کو جاری کیا گیا ہے جہاں سرکار کے آدمیوں کو، رعیت ٹیکس
اور زمین کا محصول دینے سے انکار کرتی ہے اور سرکار اس کو گرفتار
کر کے جیل خانہ بھیج دیا جاتا ہے۔ آجکل تمام جیلخانے اس قسم کے
قیدیوں سے بھر گئے ہیں اور لوگ خوشی خوشی قید میں چلے جاتے ہیں

ہندو مسلمان عورتیں بھی ہر شہر میں مہاتما گاندھی کے حکم کی
موافق کام کر رہی ہیں۔ پنڈت موتی لال نہرو کی بیوی اور سی آر داس
صاحب کی بیوی بیٹی اور مولانا شوکت علی محمد علی کی والدہ اور
بی بی اور مسٹر آصف علی بیرسٹر کی والدہ اور مسٹر عبدالمجید خواجہ کی
بیوی وغیرہ مستورات تمام ملک میں دورے کر کے کام کر رہی ہیں
اور تقریریں کرتی پھرتی ہیں۔

دوسری طرف پنڈت مدن موہن مالوی سرکار کی دوستی میں ہیں اور جگہ جگہ صلح کرانے کی کوشش کرتے پھرتے ہیں اور مہاتما گاندھی سے کہتے ہیں کہ قانون شکنی نہ کرو اس سے ملک میں غدر ہو جائیگا اور لاکھوں آدمی بے گناہ مارے جائینگے کیونکہ وہ بے علم ہونے کے سبب جلدی سے جوش میں آجاتے ہیں۔ انھوں نے اور مسٹر محمد علی جناح نے بمبئی میں ایک کانفرنس بھی کی تھی تاکہ سر گرم لوگ آپس میں مشورہ کرکے ایسی بات پیدا کریں کہ ملک میں فساد نہ ہونے پائے اور سرکار بھی مہربانی کرے۔ مگر مہاتما گاندھی نے جو شرائط اس کانفرنس میں پیش کی تھیں ان سے جلسہ کا اتفاق نہ ہوا اور جھگڑا اب تک موجود ہے۔

آجکل بادشاہ سلامت کے بیٹے جو ولیعہد ہیں ہندوستان کی سیر کرنے آئے ہیں، مہاتما گاندھی نے حکم دیدیا ہے کہ جس شہر میں وہ جائیں کوئی ہندو مسلمان اور ہندوستان کا باشندہ ان کی خاطر مدارات نہ کرے اور ان کے جلوس کو نہ دیکھے اور شہر میں ہڑتال کر دیجائے چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سوراج سے پہلے اس ملک میں بڑا کشت و خون ہوگا ہاں اگر اللہ تعالی چاہے تو کوئی ایسی صورت نکل آئیگی جو سرکار اور رعیت کے آپس میں صلح کرادے

آجکل ہندوستان میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہیں اور وہ دن رات اس کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح سرکار اور رعیت میں ملاپ ہو جائے مگر مشکل یہ ہے کہ خلافت اور سوراج کا معاملہ اور پنجاب کا انصاف ان کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ لندن

کی پارلیمنٹ اور وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہے جو مہاتما گاندھی کا کہنا نہیں مانتے، اُدھر اُن کو ضد ہے۔ اِدھر مہاتما گاندھی اپنی بات پر اَڑے ہوئے ہیں اور یہی بحث آجکل ہر اخبار میں نظر آتی ہے

پس لڑکیاں اور لڑکے جو اِس کتاب کو مدرسہ میں پڑھتے ہیں یہ سب حالات پڑھنے کے بعد اخبارات کو پڑھینگے تو اُن کو اس کا مطلب سمجھنا آسان ہو جائیگا،

سِکھ

سرکار کا سین پڑھ لیا۔ سوراج کے سین کی کہانی سُن لی اب تیسرے سین کی داستان سنو۔

سِکھ ایک قوم ہے جو پنجاب کے صوبہ میں رہتی ہے۔ یوں تو دنیا کے ہر مقام پر اور ہندوستان کے ہر شہر میں سکھ لوگ موجود ہیں مگر ان کا اصلی گھر پنجاب ہے۔ سکھ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان نہ عیسائی۔ نہ موسائی۔ بلکہ ایک نئی قسم کے لوگ ہیں۔ ان کا مذہب اسلام سے بہت مشابہ ہے کیونکہ وہ خدا کو ایک، وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ بتوں کو نہیں پوجتے، اور خدا کی ذات و صفات میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتے۔ اور خدا کی وحدت کا عقیدہ ان کا اور مسلمانوں کا بالکل ایک ہے فرق صرف رسالت کے مسئلہ میں ہے کہ وہ رسول کو ایسا نہیں مانتے جیسا مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

سکھ، مذہب کی عمر پانسو برس کے قریب ہے بابر بادشاہ

کے زمانہ میں بابا نانک صاحب ایک درویش گزرے ہیں انھوں نے سکھ مذہب کی تعلیم شروع کی تھی۔ بابا گرو نانک صاحب تارکِ دنیا فقیر تھے۔ اور مسلمان فقراء کی طرح دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی حکمت اور خداشناسی کے طریقے نظم اقوال میں سمایا کرتے تھے۔ ان کے مریدوں نے وہ اقوال ایک کتاب میں جمع کر لئے اور اس کا نام گرنتھ صاحب رکھا۔ صاحب کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا مسلمان قرآن کو شریف کہتے ہیں۔ سکھ لوگ گرنتھ صاحب کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اس کو ریشمی غلافوں میں رکھتے ہیں اور قرآن شریف کی طرح گرنتھ صاحب بھی رحل کے اوپر رکھ کر پڑھا جاتا ہے۔ سکھوں کے بڑے بڑے مندر ہوتے ہیں جن کو گرودوارہ کہا جاتا ہے گرودوارہ کے معنی ہیں پیر کا پڑوس مرشد کا ہمسایہ۔ ہادی کا وصل جا۔

سکھوں کے کسی گرودوارے میں بُت نہیں ہوتے وہاں صرف گرنتھ صاحب رکھا ہوتا ہے۔ اور سکھ گرنتھ صاحب کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ امرتسر میں سونے کا مشہور مندر ہے۔ جس کو دیکھنے کے لئے یورپ امریکہ تک سے سیّاح آتے ہیں۔ اس مندر میں بھی سوائے گرنتھ صاحب کے اور کوئی بُت نہیں ہے۔

ہندو اثر | چونکہ گرو نانک صاحب ایک فقیر اور درویش تھے اس واسطے ان کو ہندو بھی مانتے ہیں اور

ان میں سے بعض کا دعوے ہے کہ بابا نانک صاحب ہندو تھے اس واسطے ہزاروں ہندو عورتیں اور مرد سکھوں کے مندروں میں گرنتھ صاحب کی زیارت کرنے جایا کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بعض گرودواروں میں بُت بھی رکھ لئے گئے۔ تاکہ ہندو زیارت کرنے والے اپنے دیوتاؤں کے درشن بھی ساتھ سکے سکھ مندروں میں کر لیا کریں اسی طرح بعض گرودواروں کے مہنت اور متولی و منتظم بھی ہندو بن گئے جو ایک طرف تو ہندو عقیدہ رکھتے تھے اور دوسری طرف گرو نانک صاحب کو بھی مانتے تھے۔ ان مہنتوں کے پاس گرودواروں کے طفیل ہزاروں لاکھوں روپے کی جاگیریں بھی ہوگئیں جو گرو صاحب کے ماننے والوں نے گرودواروں کے لنگر کی خدمت کے لئے مدد کی تھیں۔

جھگڑے چند سال ہوئے سکھوں کو خیال آیا کہ ہم تو موحد ہیں اور بُت پرستی ہمارے ہاں سخت گناہ ہے پھر ہمارے گرودواروں میں یہ بُت کیوں رکھے گئے ہیں۔ اس واسطے انھوں نے کوشش کرکے پہلے امرتسر کے مندر سے بُت اُٹھوا دئے پھر دوسرے گرودواروں سے بھی بُت اُٹھائے جانے لگے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا کہ ہندو مہنتوں کو ہمارے گرودواروں کے متولی بننے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ وہ سکھ مذہب کے تمام احکام کی پابندی نہیں

کرتے ہیں۔ اس پر سکھوں کے ایک خاص فرقہ اکالی نے (جس کے معنی فرقۂ الٰہی کے ہیں) ہندو مہنتوں سے گفتگو شروع کی کہ ہمارے گردوارے خالی کر دو۔ اکالیوں نے بعض گردواروں پر قبضہ کر لیا اور بعض پر ابھی قبضہ نہیں ہوا۔

ننکانہ صاحب کا قتل عام اسی جھگڑے کے زمانہ میں اکالی سکھوں کا ایک گروہ ننکانہ صاحب کے مشہور مندر میں گیا تاکہ وہاں زیارت بھی کرے اور ہندو مہنت سے سکھ قبضہ کی نسبت بات چیت بھی ہو۔ ہندو مہنت نے پہلے سے تیاری کر لی تھی۔ جوں ہی یہ سکھ وہاں گئے مہنت نے اپنے نوکروں سے ان سکھوں پر حملہ کرا دیا اور سب کو گھیر کر قتل کرا دیا گیا۔ جو ایک سو کے قریب یا کچھ زیادہ تھے۔ ان کی لاشوں کو مٹی کا تیل ڈالکر جلا دیا گیا۔ اس قتلِ عام سے تمام سکھ قوم جوش میں آ گئی اور آج تک وہ جھگڑا قائم ہے۔ مہنت اور اس کے ساتھیوں کو سرکار نے پھانسی کا حکم دیدیا ہے۔

سیاست اور سکھ یہ زمانہ مہاتما گاندھی کے ترکِ موالات کا تھا۔ سکھ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ اور نان کو آپریشن (ترک موالات) پر عمل کرنے لگے اور چونکہ وہ بہت جوشیلی قوم ہے اس لئے سرکار نے ان کے بہت سے آدمیوں کو جیلخانہ بھیجدیا۔ بس آج کل سکھ لوگ سیاست

کے میدان میں ہندو مسلمانوں سے بھی دو قدم آگے چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سکھ اور سنگھ گرونانک صاحب کے زمانہ میں اور ان کے بہت بعد تک یہ فرقہ فقیرانہ طرز کا رہا۔ مگر گرو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ میں یہ جماعت سکھ سے سنگھ بن گئی۔ سنگھ کے معنی شیر کے ہیں۔ گرو گوبند سنگھ صاحب نے سکھوں کو فوجی سپاہی بنا دیا۔ اور اسلامی حکومت کے ضعف کے زمانہ میں سکھوں کی حکومت تمام پنجاب میں ہو گئی مگر جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو سکھوں سے بھی ان کی لڑائی ہوئی جس میں پنجاب سرکار انگریزی کے ہاتھ آگیا اور سکھ لوگ انگریزی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ اور ایسے وفادار سپاہی ثابت ہوئے کہ کہ سرکار انگریزی کی بہت سی فوجیں سکھوں سے بھر گئیں غدر ۵۷ء کے زمانہ میں ان سکھوں نے سرکار کی بہت مدد کی اور جنگ یورپ میں بھی سرکار کے سینہ سپر ہو کر سکھوں نے میدان مارے۔ اور اب بھی سکھوں کی فوجیں سرکار کے ساتھ ہیں۔ صرف غیر فوجی سکھ ترک موالات میں شریک ہوئے ہیں۔

سکھوں کا قومی درجہ اب تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ہندوستان کی سیاسی زندگی میں سکھ ایک خاص قوم ہیں۔ جیسے ہندو اور مسلمان اور پارسائی اور عیسائی الگ الگ قومیں

ہیں، اسی طرح سکھ بھی ایک علیحدہ قوم ہیں کیونکہ وہ اپنا
خاص زبان اور خاص مذہب اور خاص رسم و رواج رکھتے ہیں

سکھ مسلمان ہیں

اگرچہ سیاسی اعتبار سے سکھوں کا
کانگریس اور سرکار نے ایک علیحدہ اور خاص خود تسلیم
کرلیا ہے لیکن قومی خصلتوں کے لحاظ سے وہ بالکل مسلمان
ہیں اور وہ وقت بہت قریب ہے کہ سکھوں اور مسلمانوں
کی قومیت ایک دوسرے سے متحد ہو جائیگی

صرف تین باتوں میں سکھ ایک ہندوں سے مشابہ
ہیں ورنہ ان کی ہر چیز مسلمانوں کی مثل ہے۔ ایک تو وہ
ہندوؤں کی طرح چھوت کے بعض حصوں پر عمل کرتے ہیں
یعنی مسلمانوں کے ہمراہ آزادی کے ساتھ کھانا پینا ان کے
ہاں رائج نہیں ہے، اور دوسرے ان کے مردے دفن
نہیں ہوتے بلکہ جلائے جاتے ہیں تیسرے ادگاے
حفاظت ہندوؤں کی طرح ضروری سمجھتے ہیں اگر غور کیا
جائے تو چھوت کا مسئلہ اس زمانہ میں ان کے ہاں رائج
ہوا ہے جبکہ ان میں اور مسلمان حکمرانوں میں سیاسی و ملکی
لڑائیاں ہو رہی تھیں اور قاعدہ ہے کہ جنگ ... کے
آپس میں نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ پس کچھ بعید نہیں کہ
سیاسی میل جول اس جدائی کو دور کر دے اور ان میں اور
مسلمانوں میں ساتھ مل کر کھانا پینا شروع ہو جائے

گائے کی تعظیم بھی سکھوں نے ہندوؤں کے میل جول سے

سکھی ہے ورنہ ان کے مذہب میں توحید کی جیسی سخت تاکید
ہے اس کے لحاظ سے کسی غیر خدا کی عظمت ان کے ہاں
جاری نہیں رہ سکتی۔

مردہ کا جلانا بھی ہندو رسم و رواج کی صحبت کا اثر
ہے اور اگر یہ سکھوں کا ہی حکم بھی ہوتا تب بھی سکھ محض اس
رسم کے سبب ہندو نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ بات اصول مذہب
سے تعلق نہیں رکھتی

اب ان باتوں کو دیکھنا چاہیئے جن سے سکھ قوم مسلمانوں
کے مشابہ معلوم ہوتی ہے تو سب سے پہلی اور سب سے بڑی
چیز تو مسئلۂ توحید ہے کہ مسلمانوں کے عقیدۂ وحدت پرستی
اور سکھوں کے عقیدۂ توحید میں ایک بال برابر کا بھی فرق نہیں
ہے۔ عبادت کے لحاظ سے دیکھا جائے تب بھی سکھ اور
مسلمان بالکل مساوی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں
ہندوؤں کی طرح ستارہ پرستی اور موسم پرستی نہیں ہے۔ نہ وہ
موسم بہار کی ہولی کو مانتے ہیں۔ نہ زراعت کو نشوونما دینے
والے سورج کو پوجتے ہیں نہ کھیتوں کو سیراب کرنے والے
کسی دریا پر ان کا ایمان ہے نہ بارش کرنے والے اندر دیوتا
ان کے ہاں ہیں۔ نہ علم کے حافظ گنیش جی کی ان کے ہاں مانتا
ہے بلکہ وہ خدا کی ذات و صفات پر اسی طرح ایمان رکھتے
ہیں جس طرح مسلمانوں کا ایمان ہے اور خدا کی عبادت انہی
طریقوں سے کرتے ہیں جو طریقے مسلمانوں کے ہاں رائج ہیں

یعنی ان کے عبادت خانوں میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی
جاتی جو ہندوؤں کے بتوں سے مشابہ ہو۔ مسلمانوں کے ہاں
تہجد کی نماز ضروری سمجھی گئی ہے۔ سکھوں کے ہاں بھی پچھلی
رات کو بیدار ہونا اور یاد الٰہی کرنا فرض قرار دیا گیا ہے
مسلمان تلاوت قرآن کو صبح کے وقت ضروری سمجھتے ہیں سکھ
بھی گرنتھ صاحب کو صبح کے وقت پڑھنا لازمی قرار
دیتے ہیں

قومی خصلتوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو سکھ اور
مسلمان مثلاً جنگ میں یکساں نظر آتے ہیں۔ لڑائی میں مرجانا
ان کے ہاں بھی شہادت ہے اور لڑائی سے منہ نہ پھیرنا وہ
بھی انسانی شان خیال کرتے ہیں۔ انسانی مساوات اور
ادنیٰ اعلیٰ کا فرق نہ ماننا ان میں بھی مسلمانوں کی طرح
ہے۔ نشہ ان کے ہاں بھی ممنوع ہے۔ یہاں تک کہ تمباکو بھی
ان کے ہاں حرام ہے۔ مسلمان بھی گوشت کھاتے ہیں وہ
بھی گوشت کھاتے ہیں۔ فرق صرف [illegible] لئے کاٹے
ورنہ گوشت خوری میں دونوں برابر ہیں اور یہ ایک ایسی
بڑی چیز ہے جس سے سکھ مسلمانوں کے اندر گھسے نظر
آتے ہیں اور ہندوؤں سے ان کو کچھ بھی تعلق ثابت نہیں
ہوتا۔ ایک اور صفت علم [illegible] کی رو سے ان سکھوں
اور مسلمانوں میں مشترک ہے اور وہ اردو فارسی کا
رکھ رکھاؤ ہے جس کو انگریزی میں [illegible]

کہتے ہیں۔ مسلمان عزت رائی کے لئے تمام دنیاکی دولت کو قربان کردیتا ہے اور عزت کے مقابلہ میں اور کسی چیز کی پروا نہیں کرتا۔ سکھوں کا بھی یہی حال ہے۔ ایک دوسری چیز اسی سلسلہ میں سکھوں کے اندر اور ہے اور جو مسلمانوں کے مشابہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اسے کسی ہم جنس سے خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا ہو جا بیٹھا دب کر رہنا نہیں چاہتے اور ایسے جھک کر نہیں ملتے جس سے ان کی ذاتی خودداری پامال ہوجائے علم النفس کی رو سے ایک تیسری بات اور بھی ہے جو ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا دل اور زبان ایک ہوتی ہے۔ وہ سپاہیوں کی طرح کھری اور صاف بات کہتے ہیں ظاہرداری کے توڑ جوڑ ان کو نہیں آتے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ان کی خصلت اور سیرت میں سازشوں کا مادہ نہیں ہوتا۔ چوتھی چیز ایک اور بھی ہے جو علم النفس کے بموجب سکھوں اور مسلمانوں میں مشترک ہے کہ وہ بہت جلد مشتعل ہوجاتے ہیں اور حالت اشتعال میں دور اندیشی اور مصلحت بینی کا خیال ان کو نہیں رہتا

قصہ مختصر اسی طرح صدہا باتیں ہیں جو ان میں اور مسلمانوں میں مشترک ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ **سکھ مسلمان ہیں اور مسلمان سکھ ہیں**۔ اور وقت آرہا ہے کہ گزشتہ سیاسی تعلقات کو یہ دونوں قومیں فراموش کردیں اور ہندوستان

کے دو ا و ہو آ ر ندگی بسر کریں۔

سکھوں کا حلیہ سکھوں کے ہاں مسلمانوں کی طرح سر پر پگڑی باندھنا ضروری ہے۔ ڈاڑھی رکھنا بھی ضروری ہے یہاں تک کہ وہ بدن کے کسی حصہ کے بالوں کو اُسترہ یا قینچی نہیں لگاتے۔ وہ بڑے قدآور اور شاندار چہرہ کے ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں پچھلی رات کے جاگنے کے سبب پُرلطف خُمار پایا جاتا ہے۔

پانچ ککے ہر سکھ کے لئے پانچ ککوں کا رکھنا ضروری ہے۔ ککا کاف کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ پانچ چیزیں جن کے اوّل میں کاف آتا ہے۔ اور وہ پانچ چیزیں یہ ہیں ۔

(۱) کیس (سر کے بال)

(۲) کرد (چھوٹی سی چھُری جو سر کے بالوں میں رہتی ہے)

(۳) کنگھا (جو سر کے بالوں میں لگا رہتا ہے)

(۴) کڑا (جو ہاتھ میں پہنا جاتا ہے)

(۵) کچھ (جانگیا)

عبادت کے دو فرض سکھوں کے لئے عبادت کے دو فرض بہت ضروری ہیں ایک پچھلی رات سورج نکلنے سے پہلے حمد خدا کی جاتی ہے جسکو ان کی زبان میں "جپ جی صاحب" کہتے ہیں۔ دوسرے شام کو سورج چھپنے سے پہلے یاد خدا کی جاتی ہے۔ اس کا نام ان کی زبان میں "روراس" ہے۔ اس کے

علاوہ اور جماعتیں بھی ہیں مگر وہ ان دو کی طرح فرضی دوامی نہیں ہیں۔ مثلاً "جیب صاحب" "سکھی صاحب" آ ای مار، وغیرہ

سکھ بیویاں سکھ بیوی کو زیور اور گوٹہ کناری کا شوق ہندو مسلمان بیویوں کی طرح نہیں ہوتا۔ وہ سفید و سادہ پوشاک زیادہ پسند کرتی ہے۔ گھر کے کام اور شوہر کی خدمت گزاری میں سکھ بیوی بڑی اچھی بیوی ہوتی ہے اگر وہ کسی زمیندار کی بیوی ہے تو گھر میں جھاڑو دینا، چیزوں کو سنگوا کر رکھنا، بیلوں اور گائے بھینسوں کا انتظام کرنا اور پھر دوپہر کی جلتی دھوپ میں روٹیاں اور لسی کی ہنڈیا سر پر رکھکر ننگے پاؤں میلوں کی مسافت طے کر کے جاوند کے لئے کھیت پر لے جانا کھلا پلا کر چارہ کا ایک بڑا بوجھ سر پر رکھنا اور گھر میں لے آنا اس کا معمولی کام ہے، وہ کھیتی کیاری کے تمام مشکل کاموں میں شوہر کا ہاتھ بٹاتی ہے

سکھ بیویاں پردہ نہیں کرتی صرف امیر گھرانوں کی یا راجاؤں ریاست کی عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ مگر یہ رواج بھی رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے

مرد نما عورتیں ان سکھ عورتوں میں ایک جماعت پیدا ہوئی ہے یہ عورتیں سر پر کالی پگڑی باندھتی ہیں۔ کمر میں کرپان، (چھوٹی تلوار) لٹکاتی ہیں۔ اور ہاتھ میں جھنگ (کلھاڑی) لئے بالکل مردوں کی طرح پھرتی نظر آتی ہیں،

سکھوں کے مذہب میں عورت کا درجہ مرد کے برابر رکھا
گیا ہے مگر عمل میں سکھ بیوی خاوند کو اپنے سے بہت اونچے
درجہ پر سمجھتی ہے اور خاوند کی محبت کو اپنی کسی صفت
پر نہیں بلکہ اس کی مہربانی پر محمول کرتی ہے۔ چنانچہ
ایک سکھ عورت کا بیان گورمکھی نظم میں ہے۔ وہ کہتی ہے
"نہ میں کچھ خوبصورت ہوں نہ میری آنکھوں میں کچھ ادا ہے
نہ میری بولی میں کچھ مٹھاس ہے، نہ میرا خاندان ہی کچھ اونچا
ہے۔ میں ایک یتیم اور غریب عورت ہوں۔ میرے پران
پتی (شوہر) کی صرف مہربانی ہے جو اس نے مجھے اپنی
رانی بنا لیا"

سکھ بیوی کے لئے پتی برت دھرم (خاوند کی مرضی
پر پورا ہونا) جوہر سمجھا جاتا ہے۔ سکھ عورتیں مذہبی جلسوں
تعلیمی کانفرنسوں اور اپنی قوم کے تمام سیاسی معاملات
میں اس طرح مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کرتی نظر آتی
ہیں کہ حیرت ہوتی ہے

سکھوں کے ہاں شادی بندھن کی [illegible] یا رسم
کے ذریعہ نہیں ہوتی۔ نہ [illegible] کہ لڑکی اپنے
شوہر کو خود پسند کرتی ہے۔ بلکہ مسلمانوں کی طرح سکھ والدین
اپنی لڑکی کی شادی کے لئے لڑکا خود پسند کرتے ہیں۔ سکھوں
کے ہاں چھوٹی عمر کی شادی کا دستور نہیں ہے جب تک لڑکی
کی عمر چودہ پندرہ سال کی نہ ہو جائے۔

سکھوں کی ترقی

سکھوں کی تعداد ہندو مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے لیکن ان کی ترقی کی دور ان دونوں قوموں سے زیادہ تیز ہے ان کے آپس میں قومی ہمدردی اور ایک دوسرے کی امداد کا خیال بہت زیادہ ہے۔ سکھوں کے ادنیٰ اعلیٰ لوگ سب ترقی کے حق میں سرشار ہیں۔ پنجاب میں کئی ریاستیں پٹیالہ۔ نابھہ۔ جیند فرید کوٹ۔ کپور تھلہ وغیرہ انہی سکھوں کی ہیں

مہاراجہ نابھہ

ان سب ریاستوں کے مالکوں میں علمی اور عقلی اعتبار سے ریاست نابھہ کے راجہ بہت اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو ہندوستانی رئیسوں کی طرح ان تفریحی مشاغل کا شوق نہیں ہے جو بعض رئیسوں کو دائرۂ انسانیت سے خارج کرکے درجۂ حیوانات تک پہنچا دیتا ہے بلکہ مہاراجہ نابھہ ہروقت مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے ہیں اور ان کو ہندوستانی قوموں کی ترقی خصوصاً سکھ قوم کی برتری و شائستگی کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔

سکھ عورت کو فیشن کا شوق

ذرا ٹھیرو میں پان کھا رہا ہوں کلّی کرلوں۔ دانتوں کو مانجھ لوں۔ تب سکھ عورت کے فیشن پر کچھ لکھوں کیونکہ وہ انگریزی فیشن کی دلدادہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پان کھانے والے آدمی کی تحریر کو توجہ سے نہیں پڑھیگی۔ کیونکہ انگریزوں کی تقلید کا اس کو ہر بات میں خیال رہتا ہے۔ بس اوقات وہ ایسے حادثے

کہتی ہے مذہب ڈاڑھی میں نہیں ہے تم اپنا چہرہ صاحب
لوگوں کی طرح بالوں سے صاف کیوں نہیں کرا دیتے مگر
یہ بات سب سکھ عورتوں میں نہیں ہے۔ دو چار مثالیں ایسی
پائی جاتی ہیں جیسا کہ ہندو مسلمان عورتوں میں بھی پارسیوں
اور انگریزوں کی دیکھا دیکھی فیشن پرستی کا رواج بڑھ رہا
ہے یہ سب ادھوری تعلیم کی خرابی ہے جب عورتوں کی تعلیم
کا پورا بندوبست ہو جائے گا تو وہ خود بخود اپنے ملک کے
رسم و رواج اور فیشن سے محبت کرنے لگیں گی اور میرا
خیال ہے کہ سکھ عورتوں میں ہندو مسلمان عورتوں سے پہلے
ملکی قابلیت پیدا ہو گی۔ کیونکہ ان کے ہاں زنانہ تعلیم کا
سب اقوام سے زیادہ اہتمام ہو رہا ہے۔

سکھ عورتوں کی عقیدت میں بتاریخ ۲ مارچ ۱۹۲ء کو
دہلی کے مشہور بازار چاندنی چوک میں گیا تو ایک کیفیت
دیکھنے میں آئی جس کے دیکھنے سے مجھ کو بے اختیار رونا آگیا
اور دل کا تقاضا ہوا کہ اس کیفیت کو بھی کتاب ہذا کی تعلیم
داخل کرنا چاہیئے تاکہ اس کے پڑھنے والی ہندو مسلمان اور
عیسائی عورتیں اپنی سکھ بہنوں کی مذہبی عقیدت سے واقف
ہوں اور ان کی خدا پرستی کا حال سن کر ان کو غیرت ہو
میں نے دیکھا کہ کوتوالی کے پاس سکھوں کا جو مشہور گوردوارہ
تھا اس کو نئے سرے سے بنانے کے لئے ڈھایا گیا ہے اور
سینکڑوں سکھ عورتیں اینٹوں، پتھروں اور مٹی کی ٹوکریاں سروں

اٹھا اٹھا کر ڈال رہی ہیں۔

معلوم ہوا ان عورتوں میں بعض اتنی امیر ہیں کہ اگر چاہیں تو لاکھوں روپئے خرچ کرکے مزدوروں سے بڑے سے بڑا گرودوارہ بنوا دیں۔ مگر وہ ادنیٰ مزدوروں کا کام خود کر رہی تھیں تاکہ ان کی خدمت سے خدا خوش ہو۔

لوگوں نے یہ بھی کہا کہ جو عورتیں بہت غریب ہیں، اور دن کو روزی کمانے اور گھر کا کام دھندا کرنے سے انکو فرصت نہیں ہوتی وہ پچھلی رات کو آتی ہیں اور صبح تک گرودوارہ کی یہ خدمت کرتی ہیں۔

جس قوم میں ایسی سچّی عقیدت اور بھگتی کی عورتیں موجود ہوں وہ قوم خدا کی پیاری ہے اور خدا اس کو ہمیشہ پھولتا پھلتا رکھے گا۔

مسلمانوں میں بھی ایسی عورتیں ہوتی تھیں اور اب بھی موجود ہیں۔ جو دین کی خاطر اپنے عیش و آرام کو قربان کر دیتی تھیں اور کر دیتی ہیں۔

ظاہر میں دیکھا جائے تو عورت ذات بہت کمزور معلوم ہوتی ہے اور وہ گھر کے کام کاج میں اس قدر گھری رہتی ہے کہ کوئی شخص خیال بھی نہیں کر سکتا کہ جو کام مردوں سے نہ ہو سکے یا مرد اس کو ذلت سمجھتے ہوں وہ کام عورتیں ایسی محبت اور مستعدی سے کر سکتی ہیں۔

جس وقت سکھ عورتیں سفید لباس پہنے ہوئے خاک کی

بھری ہوئی ٹوکریاں سر پر اُٹھا کر لاتی تھیں اور ایک علیحدہ
جگہ اس کا ڈھیر لگاتی تھیں تو اس قدر مٹی اُڑتی تھی کہ ان
کے بال اور چہرہ مٹیالہ رنگ کا معلوم ہونے لگتا تھا۔
یہ خاک آلود چہرے اُن عورتوں کے تھے جو اپنے ماں باپ کی
پیاری بیٹیاں اور اپنے بھائیوں کی بہنیں تھیں اور اپنے
شوہر کی آبرو دار بیویاں اور اپنے غیور بیٹوں کی عزت دار
مائیں تھیں جو اپنے گھروں میں بہت صاف ستھری رہتی تھیں
مگر وہ اپنے گرو صاحب کے گھر کی خاک کو سر پر اُٹھانا دونوں
جہان کی عزت سمجھتی تھیں اور سر بازار گرودوارہ کی سیوا
اور خدمت کرکے اُن مردوں کو غیرت دلا رہی تھیں جو دین
دھرم کی خدمت کو کسرِ شان سمجھتے ہیں

سکھوں کا سلام | سکھ آپس میں سلام کرتے ہیں تو یہ لفظ کہتے
ہیں "سری واہ گرو جی کا خالصہ سری واہ گرو کی فتح" اور صرف "واہ
گرو کی فتح" بھی کہتے ہیں۔ خطوط میں ست سری اکال بھی سلام
کی جگہ لکھا جاتا ہے۔

گورمکھی | سکھوں کی قومی زبان کا نام گورمکھی ہے اس کا ایک
خاص رسم خط ہے۔ اور اس زبان میں سکھوں کے بہت سے اخبار
اور رسالے شائع ہوتے ہیں۔ ان کی [illegible] تیں گورمکھی زبان
میں لکھتی پڑھتی ہیں

سکھوں کی مستعدی | سکھ بڑی محنتی [illegible] ترقی کے
[illegible] پولیس، انجینیری، ڈاکٹری [illegible] عہدوں میں [illegible] ان کی

شرکت ہے۔ سکھ بڑھئی کا کام بہت اچھا جانتے ہیں - اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ روزی کمانے کے لئے تمام دنیا میں جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر شہر میں سکھ موجود ہیں ۔

اُردو کا شوق سکھوں کو اُردو انشا پردازی کا بھی بہت شوق ہے۔ اور ان میں بہت سے آدمی بہت عمدہ عبارتیں اُردو کی لکھ سکتے ہیں جن کو میں جانتا ہوں اور ان کی اُردو کی تعریف کرتا ہوں۔ وہ یہ لوگ ہیں :-

سردار دیوان سنگھ صاحب مقیم لاہور۔ سردار چرن سنگھ صاحب شہید مقیم لاہور۔ سردار کرتار سنگھ صاحب مقیم نابھہ۔ سردار کیسرا سنگھ صاحب جہانگیر مقیم امرتسر (یہ شعر بھی خوب کہتے ہیں) سردار کیسر سنگھ صاحب کلسی مقیم انبالہ۔ سردار امر سنگھ صاحب ایڈیٹر لائل گزٹ۔ سردار جوگندر سنگھ صاحب سابق وزیر پٹیالہ۔

قصہ مختصر سکھ مذہبی، سیاسی اور تمدنی و تعلیمی کاموں میں ایسی تیز ترقی کر رہے ہیں۔ خصوصاً ان کی عورتوں میں تہذیب و ترقی کا ایسا زبردست میلان پایا جاتا ہے کہ اگر اس کتاب میں ان کا ذکر نہ آتا تو عورتوں کی معلومات میں بڑی کمی رہ جاتی ۔

حسن نظامی